علمِ قرأت

اور

قُرّاءِ سبعہ

علمِ قرأت کی تاریخ و مبادی، نامور قرّاءِ سبعہؒ اور
اُن کے چودہؒ جلیل القدر راویوں کے حالاتِ کمالات
اور اختلافِ قراءات کے اصول و قواعد

از

مولانا قاری ابو الحسن اعظمی صاحب فاضل دار العلوم دیوبند

ناشر

ادارۂ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

علمِ قراءت

اور

قرّاءِ سبعہ

علمِ قراءت کی تاریخ و مبادی، نامور قرّاءِ سبعہ اور
اُن کے چودہ جلیل القدر راویوں کے حالات و کمالات
اور اختلافِ قراءات کے اصول و قواعد

از

مولانا قاری ابو الحسن اعظمی صاحب فاضل دارالعلوم دیوبند

ناشر

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

81731
DATA ENTERED

علمِ قرات
اور
قراءِ سبعہ

جدید

علمِ قرات کی تاریخ و مبادی، نامور قرّاء سبعہ اور اُن کے چودہ (۱۴) جلیل القدر راویوں کے حالات و کمالات اور اختلافِ قراءات کے اصول و قواعد

از
مولانا قاری ابوالحسن اعظمی صاحب فاضل دارالعلوم دیوبند

ناشر
ادارۂ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

پہلی بار عکسی طباعت : جمادی الاول ۱۴۱۰ھ

: دسمبر ۱۹۸۹ء

باہتمام : اشرف برادران سلمہم الرحمٰن

مطبع :

قیمت :

۲۹۷.۱۲

۱۱۶۸۱۶

ملنے کے پتے

ادارہ اسلامیات، ۱۹۰، انارکلی لاہور ۲

ادارۃ المعارف، دارالعلوم، کراچی ۱۴

دارالاشاعت اُردو بازار، کراچی ۱

مکتبہ دارالعلوم، دارالعلوم کراچی ۱۴

فہرست عنوانات

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
تقریظ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم	۵	قرارتِ سبعہ تیسیر اور شاطبیہ میں منحصر نہیں	۵۹
تقریظ حضرت مولانا انظر شاہ کاشمیری	۹	ائمہ سبعہ کی طرف انتساب قرارت کی وجہ	۶۰
تقریظ حضرت قاری ابن ضیاء محب الدین صاحب	۱۱	۱۔ امام نافع مدنی رح	۷۰
مقدمہ از قاری عبداللہ سلیم صاحب صدر القراء دارالعلوم دیوبند	۱۲	عیسیٰ قالون رح	۷۲
		ابوسعید ورش رح	۷۴
عرضِ مؤلف اور کلماتِ تشکر	۲۳	۲۔ امام ابن کثیر مکی رح	۷۷
فنِ قرارت کے مبادی	۲۶	بزی رح	۷۹
ضابطۂ قرارت	۲۷	قنبل رح	۸۰
قرارت کا مدار نقل پر ہے	۳۰	۳۔ ابوعمرو بن العلاء بصری رح	۸۲
نزول قرآن علی سبعۃ احرف کی حدیث	۳۲	یحییٰ یزیدی رح	۸۵
نزول علی "سبعۃ احرف" کا سبب	۳۴	دوری رح	۸۶
حروف کے حقیقی اور مجازی معنیٰ	۳۸	سوسی رح	۸۷
سات حروف کا مقصد کیا ہے	۳۹	۴۔ امام ابن عامر شامی رح	۸۸
ایک سوال اور اس کا جواب	۴۱	ہشام رح	۹۰
سات حروف پر ہی کیوں نازل ہوا؟	۴۲	ابن ذکوان رح	۹۱
اختلافِ حروف سے علمی فوائد و احکام	۴۵	"کوفہ" کا علمی امتیاز	۹۲
"سبعۃ احرف" کے کتنے معانی ہیں	۴۸	بنائے کوفہ	۹۲
"سبعۃ احرف" قرآن میں متفرق ہیں؟	۴۹	حضرت عبداللہ بن مسعود رض	۹۳
قراءاتِ مروّجہ، سات لغات کا کل ہیں یا بعض؟	۴۹	آپ کا علمی انہماک	۹۴
		۵۔ امام عاصم کوفی رح	۹۹
مصحفِ عثمانی میں "سبعۃ احرف"	۵۰	شعبہ رح	۱۰۲
اختلاف قرارت کی نوعیت و حقیقت	۵۱	حفص رح	۱۰۳
"سبعۃ احرف" سے قراءاتِ سبعہ مراد نہیں	۵۴	۶۔ امام حمزہ زیات کوفی رح	۱۰۵
اختلافِ قرارت سے فوائد	۵۷	ترتیل	۱۰۷

الحان اور انعام	۱۰۸
ابو عیسیٰ اسلیمؒ	۱۱۲
خلفؒ	۱۱۲
خلادؒ	۱۱۳
۷۔ ابوالحسن علی کسائیؒ	۱۱۴
مروزی	۱۱۷
دوری	۱۱۸
قرأ سبعہ اور ان کے راویوں کا نقشہ	۱۲۰
قراءت کے اصول و قواعد	۱۲۱
قواعدِ قالون	۱۲۲
قواعدِ ورش	۱۲۴
لین۔ بدل اور یائی کی صورتیں اور نقشہ جات	۱۲۶
قواعد ابن کثیر مکیؒ	۱۲۹
قواعدِ بزیؒ	۱۲۹
قواعدِ قنبلؒ	۱۲۹
قواعدِ دوری بصری	۱۲۹
قواعد سوسی	۱۳۰
قواعد ہشام بن ذکوان	۱۳۱
قواعدِ عاصم اور حفص	۱۳۱
قواعدِ حمزہؒ	۱۳۱
قواعدِ خلفؒ	۱۳۲
قواعدِ خلادؒ	۱۳۲
قواعدِ کسائیؒ	۱۳۲
طریقۂ اجراء	۱۳۲
جمع الجمع میں چار ضروری شرائط	۱۳۴
فن قراءت کی تصنیفات	۱۳۵
تیسری صدی کی مشہور کتابیں	۱۳۶
چوتھی صدی کی 〃 〃	۱۳۷
پانچویں صدی کی 〃 〃	۱۳۸
چھٹی صدی 〃 〃 〃	۱۳۹
ساتویں صدی 〃 〃 〃	۱۴۰
آٹھویں صدی 〃 〃 〃	۱۴۲
نویں صدی 〃 〃 〃	۱۴۴
دسویں صدی 〃 〃 〃	۱۴۴
گیارہویں صدی 〃 〃 〃	۱۴۶
بارہویں صدی 〃 〃 〃	۱۴۸
تیرہویں صدی 〃 〃 〃	۱۴۹
چودہویں صدی 〃 〃 〃	۱۵۰
علامہ عثمان ہارون دانی اندلسیؒ	۱۶۲
علامہ شاطبی اندلسیؒ	۱۶۴
قصیدہ شاطبیہ	۱۶۶
علامہ جزری دمشقیؒ	۱۷۲
قرأ کے اقسام	۱۷۸
خاتمہ	۱۷۹
مؤلف کا سلسلہ قراءت سبعہ	۱۸۰
ماخذ و مصادر	۱۸۳

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

٭ ٭ ٭ ٭

٭ ٭ ٭

٭

نقلِ تقریظ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب

مہتمم دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جس کتاب کے سلسلہ میں یہ چند سطور تحریر کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے، یہ محترم ومکرم جناب مولوی قاری حافظ ابوالحسن صاحب اعظمی کی تصنیفِ لطیف "علم قراءت اور قراءِ سبعہ" ہے جو عنقریب انشاء اللہ زیورِ طبع سے آراستہ ہو رہی ہے۔

حدیثِ پاک خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ میں اس کی گنجائش تو ہو سکتی ہے کہ الفاظ کے ساتھ معانیِ قرآن کی قید لگا کر حدیث میں مذکور فضیلت کے دائرے میں ان ہی مبارک ہستیوں کو داخل مانا جائے جو الفاظ کے ساتھ معانی ومفاہیم یعنی علومِ قرآن کی بھی تعلیم دیتے ہیں لیکن حدیث جب مطلق ہے تو اس کے اطلاق کو کون مقید کر سکتا ہے؟

قرآن نام دو ہی چیزوں کا ہے، الفاظ اور معانی۔ اور الفاظ بھی جب حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں تو ان کا خود ایک مستقل مقام ہے اس لیے بلا فہم معانی محض الفاظ پہ نہ صرف اجر اضعافِ مضاعف ملتا ہے بلکہ محض الفاظ کی برکت سے ارواح مستنیر اور نورانی بن جاتی ہیں اس لیے قرآن کے الفاظ مستقل ہیں جو اعجازی ہیں اور معانی بھی مستقل ہیں جو معجزہ ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کے محض الفاظ، انکی قراءت اور ان کے پڑھنے کے طرز و انداز کے بارے میں بھی مستقل ہدایتیں دی گئی ہیں بنابریں جیسے علماءِ معانی اللہ کے نائب ہیں اسی طرح علماءِ الفاظ وحفاظ وقراء بھی نائبانِ حق اور خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ میں داخل ہیں۔ چنانچہ آیاتِ قرآنیہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون ٥ اور ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم ایاتہ اسی طرح ان

الذین یتلون کتاب اللہ، نیز ورتل القرآن ترتیلا سے قرآن کی ایسی مقصدیت نمایاں ہوتی ہے جیسی اس کے معانی کو حاصل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کلام ناس میں اگر پڑھنے پڑھانے اور سننے اور نقل کرنے میں کسی حرف کا کچھ حذف واضافہ ہوجائے تو اسے نظر میں نہیں لایا جاتا لیکن قرآن کریم میں ایک نقطہ کا بھی فرق گوارا نہیں کیا جاتا جس کے حروف، کلمات، طرز ادا اور رسم الخط تک متعین ہیں جس کے لیے مستقل طبقات کھڑے ہوئے اور ائمہ فن کہلائے جس کی وجہ صرف یہی ہے کہ الفاظ قرآنی خود مقصود بالذات ہیں۔

ان ارشادات قرآنی کی روشنی میں واضح ہے کہ وہ تمام حضرات جو کسی نہ کسی نہج سے قرآن پاک کی خدمت، تعلیم وتعلّم، تصنیف وتالیف اور تلاوت وقراءت میں دن و رات مشغول ہیں، کس درجہ باعظمت، قابل تکریم اور لائق ستائش ہیں اور ان حضرات کی محنتیں کس درجہ قابل قدر ہیں۔ اسی کو دیکھ لیا جائے کہ علم قراءت میں حروف وکلمات قرآنی کا وہ تعدد جو بارگاہ نبوت سے تسلیم شدہ فصیح عربی زبان کے قبائلی فرق کی بنا پر دورِ اوّل میں ہی معمول بہ رہا اور جب ارشاد نبوی انزل القرآن علی سبعۃ احرف کے مطابق ابتداءً سات کے دائرے میں تسلیم شدہ رہا اور قرّاء اس کی تعلیم میں منہمک رہے۔

لیکن جب مرورِ زمانہ اور باہمی میل جول کی وجہ سے قبائل کی اپنی ممتاز لغوی اداؤں میں خلط ملط ہوا تو روایت کنندگان قرآن پاک کے یہاں وجوہ وصورِ اختلاف میں بھی طبعًا ضرور اضافہ ہوا لیکن ظاہر ہے کہ یہ اضافہ محض صوری اور اعتباری تھا حقیقی نہ تھا۔

دیگر علوم وفنونِ دین کی طرح جب علم قراءت کی فنی تدوین کا دور آیا اور راسخین فی العلم نے خوب چھان پھٹک کی تو جو روایات کہ درجہ تواتر اور شہرت لیے ہوئے تھیں ان کو مستند قرار دیا گیا اور وہ سمٹ کر دس اور سات کے عدد کو پہنچ گئیں اور بقیہ کو شاذ کا درجہ دے دیا گیا جو آج تک بحمد اللہ وہی متواتر و مشہور قراءتیں اپنے روایتی استناد کے ساتھ محفوظ ومقروء ہیں۔

اس تفنن سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ علم کتنا وسیع اور دقیق ہے جسے وہی لوگ

زیادہ سمجھ سکتے ہیں جو اس فن سے قریب اور اس سے اشتغال رکھتے ہیں مگر اس کا اعتراف کیے بغیر ہم جیسے عامی لوگ بھی نہیں رہ سکتے اور ماننا پڑتا ہے کہ کلامِ خداوندی کے سلسلہ سے اس فن (تجوید و قراءت) کی کیا شان ہے۔

مختصر یہ ہے کہ جیسے کلام اللہ اپنی جلالت سے انتہائی عظمت لیے ہوئے ہے ویسے ہی یہ قرآنی فن بھی تمام فنون کے مقابلہ میں کچھ کم عظمت کا حامل نہیں اس لیے اس فن میں ابتدا ہی سے عربی زبان میں بہت سی کتابیں لکھی جاتی رہیں کچھ نثر میں اور کچھ نظم میں۔ کچھ ناپید ہوتی رہیں اور کچھ نوپید۔ ان میں سے علامہ شاطبی کے قصیدہ لامیہ "حرز الامانی" کو جو شرفِ قبول حاصل ہوا اس کی اوّل و آخر کوئی نظیر نہیں ہے اس کے بعد سے اس کو بڑی سعادت سمجھا جاتا کہ اس کی کوئی شرح ہی لکھ دی جائے اور لکھی جاتی رہیں مگر یہ سارا شرف عربی ہی زبان کے حصہ میں آتا رہا۔

برصغیر میں سب سے زیادہ بولی جانے والی محبوب اور پسندیدہ زبان اُردو آخر کس طرح اس دولتِ لازوال سے محروم رہ سکتی تھی، مسلمانوں نے اس کو بھی مالا مال کیا اور اہلِ فن نے دیگر اربابِ علم کے دوش بدوش تجوید کے ساتھ قراءات پر بھی کتابیں لکھیں جو اردو داں حضرات پر احسانِ عظیم ہے۔

اب یہ کتاب (علم قراءت اور قراء سبعہ) اس فن میں اردو کا جامہ پہن کر سامنے آ رہی ہے جو محترم مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی کی تازہ تصنیف ہے جس میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ جس ذخیرۂ کتب تک بھی دسترس ہو ان سب کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان کی خوبیوں سے اس کتاب کے دامن کو بھرا جائے اور اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف کی یہ سعی کامیاب ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ کتاب نہایت لطیف، مفید اور جامع مطالب ہے، امید ہے کہ انشاء اللہ اس کی افادیت عام ہوگی، اللہ تعالیٰ مصنف کو بہترین جزاء عطاء فرمائے اور آلِ قرآن کے لیے جو نعمائے دارین موعود ہیں ان سے موصوف کو بہرہ مند فرمائے۔

مولوی قاری ابوالحسن صاحب (مصنف ممدوح)، دارالعلوم دیوبند کے فاضل

اور یہیں عشرہ قراءات کے تکمیل کردہ ہیں اس لیے یہ کتاب علاوہ اپنی معنویت کے نسبت کی عظمت بھی رکھتی ہے اور اس نسبت سے جہاں وہ مصنف کے حق میں سبب مقبولیت بنے گی وہیں انشاء اللہ دارالعلوم کے حسنات میں اضافہ کا موجب ہو گی۔

(حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری)

محمد طیب (صاحب)

رئیس جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند

۱۲ ۵/۹۸ ھ

نقلِ تقریظ حضرت مولانا انظر شاہ صاحب مسعودی

استاذ تفسیر و حدیث دارالعلوم دیوبند

قرآنِ مجید کی بلاغت و فصاحت، ردانت و جزالت، ایجاز و اعجاز، شوکتِ بیان اور اسلوب کی ندرت ہر ایک ایسی مثالی و معیاری ہے جس کی نظیر ممکن نہیں اس ہی نے اپنے بلیغ و معجز انداز میں بحسن وساطت سید الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ البطحائی ارواحنا فداہ امت سے مطالبہ ورتل القرآن ترتیلا کا کیا یہ امت جو چودہ سو سال کے طویل عرصہ سے قرآن کو حرزِ جان بنائے ہوئے ہے اور اس کے حسین و جمیل رخوں سے نقاب کشائی اپنا بہترین فریضہ گردانے ہوئے ہے۔ مذکورہ بالا حکم کے ساتھ ہی ترتیلِ قرآن کی جانب اس طرح متوجہ ہوئی کہ فن تجوید کی گلکاریاں چمن زار کی صورت اختیار کر گئیں، اصحاب النبی کے بعد المشہود لہا بالخیر قرون میں فن تجوید نے ترقی و ارتقار کی سب منزلیں اس خوبی و کمال کے ساتھ طے کیں کہ رسمی طور پہ بھی یہ فن کی شکل اختیار کر گیا۔ قراء سبعہ، ان کی قراء تیں، فن تجوید کے عناصر وہ ستون ہیں جن پہ اس فن کی دلکش عمارت مضبوطی سے کھڑی ہے۔

فنِ تجوید و قرارت، اس کے مبادیات، اصول و ضوابط، قانون و آئین قرار کی سوانح ان کا سلسلۂ اسناد ——— اِن سب عنوانات پہ عربی میں بہت کافی لکھا جا چکا تھا خود ہماری اردو میں بھی حال ہی میں حیدر آباد دکن سے تین ضخیم جلدوں میں ان ہی مباحث پہ گفتگو کی گئی ہے۔ پھر بھی ضرورت تھی کہ ان مسائل و معارف کو خوبی و دلکشی، جاذبیت و شگفتگی کے ساتھ کوئی نوجوان و تازہ وارد قلم یکجا کرے۔ مجھے نہ صرف مسرت بلکہ فخر ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے ایک فاضل و حال استاذ برائے تجوید و قرارت مدرسہ اصغریہ دیوبند مولانا ابوالحسن صاحب اعظمی نے اس ضرورت کی تکمیل فرما کہ دارالعلوم

کی حسین تاریخ میں ایک پرشکوہ اضافہ کیا ہے اور یہ اضافہ بجائے خود اس قدر خوشگوار و مثالی ہے کہ انشاء اللہ دار العلوم کی رفیع المرتبت تاریخ اسے سرمایۂ نازش باور کرے گی۔

خاکسار نے جستہ جستہ مباحث کا مطالعہ کیا تحریر کی شگفتگی، مباحث کا اختصار، عنوانات کا تنوع و تعدد عصری تقاضوں کے مطابق ذیلی نوٹس سرمہ بصر بلکہ دُرِ نجف ہیں۔ اور محسوس ہوتا ہے کہ نوجوان قلم نے ان تمام توقعات کو پورا کیا ہے جو ایک شبابی ولولہ سے وابستہ کی جا سکتی ہیں، انشاء اللہ یہ تالیف فن قراءت میں شاداب و سدا بہار چمن کی طرح دعوتِ نظارہ دیتی رہے گی، طلبہ، علماء، فضلاء اور قراء کیساں اس سے فائدہ اٹھائیں گے اور محسوس کریں گے کہ تجوید کیا فن ہے، سات قراءتوں کا کیا مطلب ہے، ان سات دھاروں کا کونسا سنگم ہے ——— خدائے تعالیٰ اس تالیف کو اس قبولیت سے سرفراز فرمائے جو خود مصنف کی آرزوؤں سے بہت زیادہ ہو

فانہ ھو المعین

(حضرت مولانا) **انظر شاہ** (صاحب مسعودی)
استاذ تفسیر و حدیث دار العلوم دیوبند ۱۰ ر جمادی الاولیٰ
۱۳۹۸ھ

نقل تقریظ فخر القراء حضرت مولانا قاری ابن ضیا محب الدین صاحب

الہ آبادی

صدر شعبہ قرات مدرسہ تجوید الفرقان لکھنؤ

الحمد للہ وصلی اللہ علی نبیہ و مصطفاہ

مجبی مولوی قاری ابوالحسن صاحب اعظمی کی کتاب "علم قرات اور قراء سبعہ" میں نے دیکھی اس سے قبل "شرح سبعہ قرات" مصنفہ قاری محی الاسلام صاحب (پانی پتی) اور "عنایاتِ رحمانی" مصنفہ قاری فتح محمد صاحب دیکھی تھی لیکن ان دونوں کتابوں میں یہ موضوع ضمناً بیان کیے گئے ہیں لیکن خوشی کی بات یہ ہے کہ اس موضوع پہ آپ کی کتاب مستقلاً قراء کی تاریخی روشنی میں ہے جس سے عوام اور خواص دونوں قسم کے حضرات مستفید ہو سکیں گے، مجھے قلتِ وقت کی وجہ سے پوری کتاب دیکھنے کا موقع نہیں ملا لیکن جو کچھ دیکھا اس سے میری خوشی کی انتہاء نہیں۔

اللہ تعالیٰ مصنف زید لطفہ کو جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔

فقط

ابن ضیا محب الدین احمد صدر شعبہ قرات
مدرسہ تجوید الفرقان لکھنؤ
۱۸ جمادی الاولیٰ ۹۸ھ

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جو امورِ پیغمبر کی بعثت کے مقاصد اور اس کے حق میں فرائضِ منصبی قرار پاتے ہیں ان کی بنیادی اہمیت و عظمت کو پیشِ نظر رکھ کر دیکھا جائے کہ سردارِ دو جہاں خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد اربعہ کی نشاندہی وحیِ خداوندی نے بایں الفاظ کی ہے۔

لقد منّ اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین ۝ (آل عمران)

یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کا اہلِ ایمان پر احسان ہے کہ اس نے ان کے اندر ان میں کا ایسا پیغمبر مبعوث فرمایا جو آیاتِ ربانی کی تلاوت کرتا ہے اور ان کی اصلاح کرتا ہے (اور نیز) کتاب اللہ کی اور حکمت (و سنت) کی تعلیم دیتا ہے جب کہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

اور یہ بات واضح ہے کہ جس طرح تعلیمِ کتاب کا اطلاق معانی و مفاہیم اور مطالب کی تعلیم پر ہے اسی طرح تلاوتِ کتاب کا مطلب الفاظِ آیات کا پڑھنا اور قراءت کرنا ہے جس سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ جس طرح علومِ قرآنی سے امت کو آگاہ کرنا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضۂ منصبی ہے اسی طرح قرآن پاک کی خود تلاوت کرکے اس کے آداب و طریقوں سے روشناس کرانا بھی فریضۂ پیغمبری ہے۔

جس کے معنی یہ ہیں کہ ایک طرف معانیِ قرآن کو اگر اہمیت وافادیت حاصل ہے تو دوسری طرف الفاظِ قرآنی بھی اہمیت وعظمت کے حامل ہیں اور کیوں نہ ہو جب کہ قرآن نام ہے[1] الفاظ ومعانی کے مجموعہ کا بلکہ معانی پر قرآن کا اطلاق الفاظ کے توسط اور نسبت ہی کی وجہ سے ہے ورنہ حقیقۃً تو قرآن الفاظِ قرآن کا نام ہے اس لیے کہ قرآن کے معنی پڑھی جانے والی چیز کے ہیں اور ظاہر ہے کہ الفاظ پڑھے جاتے ہیں نہ کہ معانی۔ اور اسی لیے الفاظ قرآنی کے واسطے یہ حکم شرعی ہے کہ ان کو بغیر طہارتِ شرعی مَس نہیں کیا جانا چاہیئے اور نماز میں قراءت بھی الفاظِ قرآنی کی ضروری ہے۔ معانیِ قرآن کے ساتھ یہ معاملہ کرنے کی ہدایت نہیں ہے بلکہ اگر نماز میں بجائے الفاظ کے ترجمۂ قرآن پڑھے گا تو نماز ہی نہ ہوگی۔ نیز تلاوت پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں جس ثواب کا وعدہ ہے کہ ہر ہر حرف پر دس دس نیکیوں کا اجر ملے گا اس کا تعلق بھی الفاظ قرآن سے ہے جس کا حاصل یہی ہے کہ قرآن اصل میں الفاظِ قرآن ہی کو کہا جاتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن حکیم سابقہ آسمانی کتابوں کی طرح نہیں ہے کہ جن کے صرف معانی کا من جانب اللہ نزول ہوا تھا جب کہ اہل بائبل آج بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ بلکہ قرآن وحی متلو ہے اور اس کے الفاظ کی نسبت بھی خداوند قدوس کی ذات سے ہے۔

اور اسی بناء پر یہ حقیقت تسلیم شدہ ہے کہ معانی کے سلسلہ میں جس طرح ان امور کو سندِ قبول حاصل ہوتی ہے جن کا ربط پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وعمل اور تقریر سے وابستہ ہوتا ہے اسی طرح بسلسلہ تلاوت ان ہی طریقوں اور وجہوں کو مرتبہ اعتبار نصیب ہوتا ہے جن کی تواترہ سند یا شہرت روایتی وابستگی پیغمبر کی ذاتِ بابرکات کے ساتھ ہے۔

---

[1] اصولِ فقہ کی کتابوں میں قرآنِ پاک کے بارے میں یہ کہا گیا ہے ھو النظم والمعنی جمیعاً۔۱۲

معانی کے ساتھ الفاظ کی اسی خصوصیت و اہمیت کا یہ اثر ہے کہ امت کا اہل علم طبقہ جس طرح معانی کی خدمت پر کمر بستہ ہوا اور اس سلسلہ میں متعدد علوم معرض وجود میں آئے اور بے شمار کتابیں (ہر قرآنی علم پر) لکھی گئیں۔ اسی طرح الفاظ قرآنی کی صیانت و حفاظت اور خدمت کو بھی ہر دور میں سعادت دارین سمجھا جاتا رہا اور اس سلسلہ میں دو نوع سے خدمت کی گئی ایک حفظ اور دوسرے طریقہ تلاوت و قرارت کی حدود و شقوق کا تعین ہے۔

حفظ قرآن کا باب دیکھا جائے تو ہر زمانہ اور ہر وقت میں حفاظ کی اتنی بڑی تعداد رہی کہ اس کا انکار ہی ممکنات میں سے نہ رہا۔ سینوں میں محفوظ کرنے کے ساتھ سفینوں اور صحیفوں کے ذریعے حفاظت پہ توجہ کی گئی تو اس سلسلہ میں بھی کمال فن کا ایک سے ایک بڑھکر مظاہرہ ہوا۔ ظاہری حسن وخوبصورتی اور دلکشی کے علاوہ آیات و کلمات اور حروف کو حتیٰ کہ نقطوں اور حرکتوں کو بھی ہر ہر رنگ سے شمار کیا گیا اور اس سلسلہ میں بھی کتابیں لکھی گئیں، یہی نہیں بلکہ تحریر اور رسم خط قرآن کو اجتہاد اور رائے سے بالاتر قرار دے کر اس کا التزام کیا گیا کہ صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم کی حسب ہدایت کاتبانِ وحی نے جس انداز سے جس کلمہ اور لفظ کو لکھا تھا ہمیشہ اسی کے مطابق لکھا جائے اور اس کی خاطر مستقل علم وجود میں آیا اور استناد کی بنیاد، راویوں کی ثقاہت اور ان سے مروی معتبر اور ناقابل شک وشبہ روایتوں کو قرار دیتے ہوئے بہت سی کتابیں اس ذیل میں بھی تصنیف کی گئیں۔

طریقۂ تلاوت پہ دھیان دیا تو مستقل اور باقاعدہ تین علوم عالم وجود میں آگئے۔

[۱] علم تجوید جس کا موضوع حروفِ تہجی ہوا۔ اور اس میں حروف کی ذات وصفات سے بحث کی گئی پھر اس علم کو محض نظری حیثیت نہیں دی گئی بلکہ اُسکے عین مطابق مشق وتمرین کرائی جاتی رہی۔

[۲] دوسرے علم اوقاف، جس کے موضوع حروف کلمات[۱] قرآنی ہوئے اور اس میں یہ

---

[۱] : اس سلسلہ میں مصاحفِ عثمانی جن کی کتابت بھی کاتبانِ وحی نے ہی کی تھی، ان کو بنیاد

بقیہ صد ۱۵ پر

متعین کیا گیا کہ کہاں ٹھہر جائے اور کیسے ٹھہر جائے اور پھر کہاں سے ابتدا اور اعادہ ہو اور کس طرح ہو اور وقف وابتدا و اعادہ میں کونسی جگہ کا کیا مرتبہ ہے اس سلسلہ میں علاوہ فنی بحثوں کے سنّت سے مَروی محلِ ادا قاف تک کو محفوظ کیا گیا۔

۳۔ تیسرے، علم قراءت جس کا موضوع کلمات قرآنی ہوئے اور اس میں جدو جہد کا محور یہ بات رہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ میں حجاز مقدس کی فصیح عربی زبان کے قبائلی جزوی فرق کے زیر اثر کن کن کلمات قرآنی کو کس طرح پڑھا گیا اور از روئے وحی کس فرق کو آپ نے قرآنی حدود کے دائرے میں شمار کرتے ہوئے اس کی اجازت مرحمت فرمائی اس فن کے ماہرین نے اخذ و قبول کے لیے اصل بنیاد روایتی استناد ہی کو قرار دیتے ہوئے صرف دو درجے قابل اعتبار قرار دیئے ایک تواتر اور دوسرے شہرت اور پھر ان میں درجہ بندی کرتے ہوئے تواتر ہی کو مرتبہ اول دیا نیز بمدد درایت ...... باتوں کو مزید بنیاد قرار دیا۔

۱۔ مَروی قراءت مصاحفِ عثمانیہ میں سے کسی ایک مصحف کے رسمِ خط کے مطابق ہو۔

۲۔ کسی نحوی قاعدہ اور ضابطہ سے ہم آہنگ ہو۔

اس سلسلہ میں ذہن کے اندر ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ قرآن پاک جب ایک ہی زبان میں ہے تو ایک ہی طریقہ سے نازل بھی ہوا ہو گا۔ اس صورت میں حروف و کلمات میں کسی اختلاف و فرق کو کیسے صحیح قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور اگر صحیح ہے بھی تو آخر اس کا منشا کیا ہے سو اس سلسلہ میں نہایت مختصر اور جامع بات الشیخ علی النوری الصفاقسی نے اپنی

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) بنا کر مستقل علم رسم خط قرآنی کا وجود میں آیا اور جو کتابیں تصنیف کی گئیں ان میں مشہور و متداول کتاب عقلیہ اتراب القصائد فی اسنی المقاصد المعروف بہ قصیدہ رائیہ للعلامہ الشاطبی ہے جو دارالعلوم دیوبند میں داخل نصاب سبعہ ہے اس کی شروحات میں حضرت قاری عبدالرحمن کی الہ آبادی کی افضل الدرر (عربی) اور شرح اسہل الموارد از حضرت قاری فتح محمد صاحب پانی پتی ہے۔ (حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

مشہور کتاب غیث النفع میں کہی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے :۔

کہ اس اختلاف میں امت کی سہولت مقصود ہے جیساکہ فقہی اختلاف میں ہے اگر فقہی مسائل میں حضرات آئمہ کا اختلاف نہ ہوتا جو قرآن و حدیث کے دائرے میں ہی ہے تو دین میں وسعت نہ ہوتی اور آخر کار تنگی کا سامنا ہوتا اسی طرح حجاز کی فصیح عربی بولنے والوں میں بعض حروف و کلمات کی ادائیگی اور تلفظ کے قبائلی اور خاندانی فرق کو جو فصاحت کے دائرے میں ہی تھا ملحوظ نہ رکھا جاتا اور ایک ہی لہجہ کا سب کو پابند بنا دیا جاتا تو مشکل یہ پیش آتی کہ پہلے ان امی عربوں کو الفاظ کا وہ متعین لہجہ سیکھنا پڑتا اور اسی کے لیے باقاعدہ تعلیم و تعلّم کا سلسلہ قائم کرنا پڑتا پھر بھی ہو سکتا تھا کہ فصاحت میں یکساں رتبہ کے حامل یہ قبائلی تعصب کا شکار ہو جاتے اور قرآنی فیض سے محروم ہو جاتے جب کہ ضرورت اس بات کی تھی کہ ان مخاطبینِ اولین کو ان جھمیلوں سے نکال کر مراداتِ قرآنی میں بدرجہ کمال متوجہ ہونے اور اس سے علمی اور عملی اخذ و استفادہ کرنے کا موقع بہم پہنچایا جائے[۱] علاوہ ازیں قرآن پاک نے اپنے کلام الٰہی ہونے کے ثبوت میں یہ چیلنج دیا ہے کہ کسی کو شک و شبہ ہو تو ایسی ہی سورۃ یا آیت بنا کر تو لائے۔ ظاہر ہے کہ یہ چیلنج اولین طور پر ان ہی لوگوں کے لیے تھا جن کو اپنی مادری فصیح عربی زبان پر نہ صرف قدرت تامہ حاصل تھی بلکہ اس پر ان کو ناز بھی تھا اگرچہ بعض الفاظ و کلمات کے تلفظ میں ان کا ایسا ہی باہمی فرق تھا جیساکہ ہر زبان میں ہوا کرتا ہے۔

اگر قرآن پاک کا ایک ہی لہجہ مقرر ہوتا جو کسی نہ کسی ایک قبیلہ کے انداز تکلم کے مطابق ہوتا تو دوسرے فصیح عربی بولنے والے قبائل کو یہ کہنے کا حق ہو سکتا تھا کہ زبان کا فرق ہے ہم کیا کریں اگر ہمارے قبیلہ کے ڈھنگ پر قرآن ہوتا تو ہم مقابلہ کرتے دوسری بات یہ کہ قرآن کے

تفصیل کے لیے اردو شرح عنایات رحمانی کا مقدمہ ملاحظہ ہو اور اصولی طور پر غیث النفع کا یہ حوالہ کافی ہے وقال الشیخ ابو محمد المکی القراءۃ الصحیحۃ ماصح سندھا الی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وساغ وجھھا فی العربیۃ ووافقت خط المصحف ۔

[۱] : دصفحہ ہذ، چنانچہ ملاحظہ ہو مسلم شریف ج ۱ ص ۲۷۳ عن ابی ابن کعبؓ ۱۲

حق ہیں لازم سمجھنا کہ قرآن ایک نہج پہ نازل ہوا ہو گا غلط ہے اس کو دوسرے کسی کلام پہ قیاس ہی نہیں کیا جا سکتا جس طرح خداوند تعالیٰ کی دوسری صفات میں بیشمار کمالات ہیں صفتِ کلام بھی لاتعداد خوبیوں کی حامل ہے اس لیے خدا کے لیے یہ قطعاً مشکل نہیں کہ ایک زبان کے قرآن کو اسی طرح نازل فرمایا کہ اس کو متعدد ڈھنگ سے پڑھا جا سکے چنانچہ حدیث میں صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے ۔

ان ھذا القرآن انزل علی سبعۃ احرف فاقرءوا ماتیسر منہ (بخاری ومسلم مثلہ)	یہ قرآن درحقیقت سات حرفوں پر نازل ہوا ہے لہٰذا ان میں سے جس حرف پہ چاہو پڑھو ۔

سبعۃ احرف کی تشریح میں ارباب علم کے بے شمار اقوال ہیں جن کی مجموعی تعداد چالیس تک شمار کی گئی ہے اور ان میں بعض اقوال کا حاصل یہ ہے کہ ،

"سبعۃ احرف" کا تعلق الفاظ سے نہیں بلکہ معنی سے ہے چنانچہ بعض نے کہا کہ اس سے سات اصولی احکام مراد ہیں اور وہ یہ ہیں .... حلال، حرام، محکم، متشابہ، امثال، انشاء، اخبار ۔ اور بعض نے یہ مراد متعین کی ۔ ناسخ، منسوخ، خاص، عام، مجمل، مبین، مفسر ۔ ان اقوال کا ماخذ بھی حدیث و روایت ہے ۔

اس کے برعکس بعض اقوال کی بنیاد یہ ہے کہ "سبعۃ احرف" کا تعلق الفاظ و عبارتِ قرآنی سے ہے چنانچہ علامہ جزریؒ کا ارشاد ہے کہ تیس[۱] سال سے زیادہ کے مسلسل غور و فکر کے نتیجہ میں مجھے جس مصداق پر اطمینان ہوا وہ یہ ہے کہ "سبعۃ احرف" کا تعلق الفاظ و کلمات سے ہے نہ کہ معنیٰ سے اور ترجیح اسی کو دی گئی ہے اور اس کے لیے بنیاد قرار دیا گیا کہ "حرف" کے معنی وجہ کے ہے اور دلیل یہ ہے کہ قرآن پاک میں ایک موقع پہ یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے چنانچہ فرمایا گیا ۔

ومن الناس من یعبد اللہ علی	کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ کی عبادت ایک

ۡ۱ غیث النفع و عنایات رحمانی

حرف فان اصابہ خیرن طمأن بہ (الآیۃ) — وجہ پر کرتے ہیں پھر ان کو اگر خیر پہنچ جائے تو اس پر مطمئن ہو جاتے ہیں۔

آیت کا حاصل یہ ہے کہ عبادتِ خداوندی ایک ہی وجہ سے کی جاتی ہے اگر نعمت مل جاتی ہے تو ایمان و عبادت پہ جم جاتے ہیں اور اگر شر اور نقصان پہنچے تو عبادت ترک کر کے نافرمانی اور کفر اختیار کر لیتے ہیں۔

تو جیسے قرآن پاک نے حرف کو وجہ کے معنی میں استعمال کیا ہے اسی طرح حدیث میں "سبعۃ احرف" کے معنیٰ "سبعۃ اوجہ" کئے ہیں۔ اور چونکہ عرب میں فصیح عربی زبان مندرجہ ذیل سات قبائل میں مشہور و معروف تھی اس لیے سات کا لفظ متعین ہو گیا وہ سات قبائل یہ ہیں: قریش، ہذیل، ثقیف، ہوازن، کنانہ، تمیم، یمن[۱]

پھر وقت گزرنے کے ساتھ اختلاف کی اس نوعیت نے اصولی وفنی مقام حاصل کر لیا۔ اور حدیث و فقہ کے راسخین فی العلم کی طرح اس فن میں بھی دیانت و امانت کی مجسّم شخصیتوں نے جانیں کھپا کر ان فروق کو منضبط کیا اور اس طرح اس فن کے جو صدر ہوئے وہی امام کہلائے اور ان ہی کے نام سے قراءتوں کا انتساب ہوا جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں: نافع مدنی، ابن کثیر مکی، ابوعمرو بصری، ابن عامر شامی، عاصم کوفی، حمزہ کوفی، کسائی کوفی، پھر ان ائمہ قراءت کی قراءتوں کو اتفاق و اختلاف کے ساتھ روایت کرنے والے خیرکم من تعلم القرآن و علمہ کے مصداقِ امت کے وہ جوہر صفت حضرات ہوئے جنہوں نے ساری عمر خدمت قرآن کر کے محبین اور آل القرآن میں خود کو شامل کر لیا ان کی روایتیں انہی کے ناموں سے موسوم و معروف ہوئیں۔

پھر آگے چل کر جس طرح تفسیر و حدیث کے میدان میں علمائے امت نے محیّر العقول اور قابل صد افتخار کارنامے انجام دیئے ہیں[۲]۔ اسی طرح علم قراءت میں بھی اس کے تحفظ و اشاعت

---

[۱] غیث النفع بحوالہ قاموس ۱۲

[۲] بعض بعض حضرات کی تصانیف کا تو یہ حال ہے کہ ایک ایک فرد کی تصانیف کی تعداد کو (بقیہ آئندہ صفحہ پہ)

کی خاطر نادرۂ روزگار محنتیں اور مشقتیں برداشت کر کے اس کو باقاعدہ مدوّن اور بہت سی کتابیں لکھ کر ان قراءتوں کی حیاتِ جاوید کا سامان کر ڈالا۔ یوں تو بہت کتابیں لکھی گئیں۔ لیکن علامہ دوّانی کی کتاب "التیسیر" کو بطور خاص درجہ استناد حاصل ہوا۔ لیکن اللہ کی شان ہے کہ بعض لوگوں کے کاموں میں ایسی برکت ہوتی ہے کہ تمام فائدے پھر ان ہی میں محصور ہو جاتے ہیں اور ان کی شہرت و قبولیت دوسروں سے مستغنی کر دیتی ہیں۔ مدارس کی تاریخ میں دیکھ لیا جائے، عالم عرب میں جو قبولیت و شہرت اور افادے کی وسعت، جامعہ ازہر قاہرہ۔ اور ایشیا میں دار العلوم دیوبند کو حاصل ہوئی ہے۔ اس سے دوسرے مدارس محروم ہی رہے۔ اگرچہ ان کے فوائد اور اہمیت بھی اپنی جگہ مسلم ہے۔

اسی طرح علامہ ابو عمرو دوّانی کے بعد سب سے زیادہ قبولیت جس کتاب کو ملی وہ الشیخ الامام ابو محمد قاسم بن فیرّہ بن ابو القاسم خلف ابن احمد الرعینی الشاطبی (۵۳۸ھ۔ ۵۹۰ھ) قصیدہ لامیہ المسمّی بہ حرز الامانی المعروف بشاطبیہ ہے۔

علامہ نابینا ہونے کے باوجود اعلیٰ درجے کے محدث و قرارت کے امام تھے ان کی کتاب نے باوجود نظم میں ہونے کے تمام کتابوں سے مستغنی کر دیا۔ ہر دور میں اہل علم کی اس کتاب

(بقیہ گزشتہ حاشیہ) دوسرے مذاہب کی از اول تا آخر تمام تصانیف بھی نہیں پہنچتیں چنانچہ حافظ سیوطیؒ نے پانچ سو ایسی کتابیں لکھیں جن میں بہت سی کتابیں کئی کئی جلدوں پر مشتمل تھیں۔ یہی حال امام نووی، حافظ ابن حجرؒ شیخ اکبر محی الدینؒ ابن عربی، امام غزالیؒ حافظ ابن تیمیہ وغیرہ کا ہے ابن عربی کی صرف تفسیر ہی ایک سو جلدوں میں تھی۔ یہی حال تفسیر ابن تیمیہ کا تھا بلکہ شیخ عبد الوہاب شعرانی کی اطلاع کے مطابق ابن شاہین نے تین سو تنتیس ۳۳۳ کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ان میں تفسیر ایک ہزار جلدوں میں اور حدیث ایک ہزار چھ سو جلدوں میں لکھی تھی ان کی تصانیف پر روشنائی کا جو حساب لگایا گیا تو ایک ہزار آٹھ سو رطل ہوئی۔ شیخ ابو الحسن الاشعری کی تفسیر قرآن ہی چھ سو جلدوں میں تھی۔ (حجۃ اللہ علی العلمین۔ از ابو یوسف ابن اسماعیل النبہانی مطبوعہ الشق استنبول) ۱۲

سے وابستگی کا یہ عالم رہا کہ مجموعی طور پہ لگ بھگ سو شرحیں اس کی لکھی گئیں۔

ہمارے دور تک عربی زبان میں دو شرحیں متداول رہیں۔ ایک مفصل شرح مُلا علی قاری کی اور دوسری مختصر شرح سراج القاری کے نام سے جس کی تصنیف علامہ ابو الحسن ابن القاصح نے ۷۵۹ھ میں کی تھی۔ مگر افسوس کہ ملا علی قاری کی شرح ناپید ہو گئی۔

ہندوستان میں جب مسلمانوں نے اردو زبان کی طرف توجہ کی اور اس میں علوم اسلامیہ کو منتقل کرنے پہ کمربستہ ہو گئے تو دیگر علوم کی طرح علم القراءت سے بھی اس زبان کو مالا مال کیا۔

شاطبیہ کی بعض اردو شرحیں لکھی گئیں مگر وہ نامکمل ہونے کی وجہ سے طبع نہ ہو سکیں حضرت قاری سلیمان صاحبؒ سابق استاذ قراءت مظاہر علوم سہارنپور کی شرح ہے جو غالباً ان کے درس کی املائی شرح ہے۔ البتہ یہ شرف شاطبیِ وقت قاری فتح محمد صاحب پانی پتی کو ملا۔ موصوف نے علامہ شاطبی کی طرح بصارتِ ظاہری سے محروم ہونے کے باوجود بہت سی کتابیں تصنیف کر دیں ان میں شاطبیہ کی تین ضخیم جلدوں میں کامل و مکمل شرح عنایاتِ رحمانی کے نام سے تحریر فرمائی۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء۔

اس کے علاوہ مستقلاً بھی قراءتِ سبعہ پہ اردو میں کتابیں لکھی گئیں جن میں قاری فتح محمد صاحب کے استاذ قاری ابو محمد محی الاسلام صاحب پانی پتی نے ۱۳۴۷ھ میں تصنیف کی جو ۳۲۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ مسائل سے پہلے فن اور اہل فن کی تاریخ پر بھی کافی روشنی اس کتاب میں بہم پہنچائی گئی ہے ایسے ہی ایک اور کتاب تکثیر النفع فی القراءت السبع واجرائہا بطریق جمع الجمع از جناب قاری رحیم بخش صاحب پانی پتی مدرسہ خیر المدارس ملتان پاکستان۔ صفحات خورد سائنہ ۲۳۰۔

قاری احمد ضیاء ابن محترم جناب قاری محب الدین صاحب الہ بادی نے بھی جامع القراءت کے نام سے مختصر رسالہ لکھا جو مبتدیوں کے واسطے یاد کرنے میں آسان ہے اس کے علاوہ بھی اور کتابیں لکھی گئیں۔ مگر ان سب کتابوں میں قراءت سبعہ کے اصول

و فروع کو یکجا کر کے بیان کیا گیا ہے اگر کوئی چاہے کہ صرف ایک یا دو تین قراء تیں اور ان کے اصول و فروع سیکھ لیے جائیں تو یہ فائدہ بسہولت ان کتابوں سے حاصل نہیں ہوتا اس کمی کو قاری فتح محمد صاحب پانی پتی کے سلسلہ کے ایک صاحب تصنیف جناب قاری رحیم بخش صاحب نے پورا کیا اور ہر امام کی قراءت کو الگ الگ راوی کے نام سے الگ الگ کتابی صورت میں مرتب و مدوّن کر دیا۔ اب اگر کوئی شخص تنہا امام نافع کی قالون والی روایت کو مثلاً سیکھنا اور حاصل کرنا چاہے تو اس کو کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔

بہر حال کتابیں بہت سی لکھی جا چکی ہیں مگر چونکہ علم کا میدان بہت وسیع ہے اس میں کسی بھی سفر کو آخری سفر قرار نہیں دیا جا سکتا اس لیے ارباب ہمت تھکتے نہیں ہر حوصلہ مند آمادہ سفر ہو جاتا ہے اور اپنی ہمت مسافرین گذشتہ سے زیادہ بلند رکھنے کی سعی کرتا ہے اور بحمد اللہ اس میں کامیابیاں بھی ہوتی ہیں۔

جیسا کہ ہر مستقبل کا مصنف ماضی کی تصنیفات کی تمام خوبیوں کو سمیٹنے اور اپنی تصنیف میں اس کو یکجا کر کے مزید اضافوں سے آراستہ کرنے کی سعی کرتا ہے ایسے ہی کوشش عزیزم مولانا قاری ابو الحسن صاحب اعظمی نے اپنی تصنیف علم قراءت اور قراء سبعہ میں کی ہے۔

موصوف ایک ہونہار اور نوجوان باصلاحیت عالم ہیں حال ہی میں دار العلوم دیوبند سے فارغ ہوئے ہیں قراءت و تجوید اگرچہ شروع سے دار العلوم میں نہیں پڑھی مگر عشرۂ قراء کے سلسلہ میں استفادہ دار العلوم کے شعبہ قراءت سے ہی کیا ہے اور حدیث و تفسیر کی طرح شعبہ قراءت کے بھی باقاعدہ شاگرد ہوئے ہیں اس طرح ان کی تصنیف ابناء دار العلوم کی تصانیف میں شمار ہوگی۔

کتاب کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ بیان مسائل میں نہ ایجاز ہے نہ اطناب و تطویل بلکہ میانہ روی کو اختیار کیا گیا ہے اور زبان سادہ و سلیس ہے اس فن کی علمی تاریخ بھی اس کتاب میں بیان کی گئی ہے جو بہت کار آمد اور نافع ہے۔

موصوف نے یہ کتاب لکھ کر خود کو بھی خادمانِ قرآن کے زمرے میں شامل کر لیا

ہے اور اردو داں حضرات بالخصوص طالبانِ قراءت کے لیے بھی بڑی سہولت کا سامان کر دیا ہے۔

فجزاہ اللہ خیر الجزاء

(مولانا قاری)

عبداللہ سلیم (صاحب صدر القراء دار العلوم دیوبند)

۱۱۶۸۱۶

عرضِ مؤلف

علم قرات کیا ہے ؟ صاحب وحی فداہ روحی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ان هذا القرآن انزل علی سبعة احرف کا کیا مطلب ہے ؟ نیز ائمہ سبعہ کی خدمات کس شان کی ہیں کہ جن کے نتیجے میں قرات کا انتساب ان حضرات کے نام سے ہوا ؟ اس عظیم فن کی علمی تاریخ کیا ہے ؟ اور یہ کن مرحلوں سے گذرا ہے ؟ ان سب عنوانات پہ عربی اور اردو دونوں زبانوں میں اچھا خاصا کام ہوا ہے لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ اہم اور نادر تصانیف نایاب ہوتی جارہی ہیں اور افسوس کہ اس فن سے مسلسل غفلت و بے اعتنائی کے نتیجے میں ان کتابوں کی دوبارہ اشاعت بظاہر ناممکن نظر آتی ہے جو کچھ کتابیں موجود ہیں تو ان کا حصول ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے مثلاً عربی زبان میں " ابراز المعانی " غیث النفع ، سراج القاری " اور ملا علی قاری (مؤخر الذکر تو اب تقریباً نایاب ہے) وغیرہ کتابیں موجود ہیں۔ چونکہ یہ کتابیں عالم عرب کی شائع شدہ ہیں جن کا بسہولت حاصل ہونا مشکل ہے۔ اور اردو میں قصیدہ شاطبیہ کی مفصل شرح "عنایات رحمانی ۳ جلدوں میں ، صفحات ۱۶۲۶) ۔ قاری المقری فتح محمد پانی پتی کی تصنیف فن قرات پہ زبردست کتاب ہے۔ لیکن چونکہ یہ کافی ضخیم ہے اور تفصیل حد تطویل کو پہنچی ہوئی ہے۔ نیز ہندوستان میں اس کا ملنا ممکن نہیں۔

ابھی حال ہی میں حیدرآباد دکن سے ہندوستانی قراء کی تاریخ پہ تذکرۂ قاریان ہند کے نام سے ایک کتاب ۳ جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ چونکہ مصنف (مرزا کرنل بسم اللہ

بیگ م اپریل ۱۹۷۵ء کے پیش نظر قراء کے حالات کا بیان تھا۔ اگرچہ فن کے متعلقات سے بھی تعرض کیا ہے لیکن تمام موضوعات کا مکمل احاطہ نہیں کیا ہے۔ نیز ضخامت کے باعث یہ کتاب بھی سہل الحصول نہیں۔

لہٰذا عرصہ سے اردو زبان میں ایک ایسی کتاب کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی جس میں قدرے اعتدال کے ساتھ مذکورہ بالا عنوانات پہ گفتگو کی جائے اس ضرورت کی جانب اکابر اور احباب وقتاً فوقتاً توجہ دلاتے رہے خود مجھے بھی اس کا احساس تھا مگر ہجوم کار اور کثرت مشاغل نیز بے بضاعتی اور علمی تہی مائیگی کے باعث یہ کام انجام نہ پاسکا لیکن جب اصرار زیادہ بڑھا تو فرمان اکابر و احباب کی تعمیل میں متوکلاً علی اللہ چند کتابیں جو اس سلسلے میں دستیاب ہوسکیں۔ انہیں پیش نظر رکھ کر اس کام کو شروع کیا۔

پہلے علم قراءت اور حدیث "نزول قرآن علی سبعۃ احرف" سے متعلق مباحث کا بیان ہے پھر قرآن اور قراءت کے خدام کا ذکر ہے۔ اس سلسلے میں ائمہ سبعہ اور ان کے مشہور رواۃ کا تذکرہ خصوصیت اور قدرے تفصیل کے ساتھ ہے۔ اس کے بعد ان اصول و قواعد کا بیان ہے جو مشہور اور کثیر الدور ہیں۔

آخر میں فن قراءت پہ تصانیف کا صدی وار جائزہ پیش کیا گیا ہے .... اس طرح جو کچھ بن پڑا وہ بصورت "علم قراءت اور قراء سبعہ" پیش خدمت ہے۔

اس سعی میں کس قدر کامیابی ہوئی اس کا فیصلہ ناظرین کرام ہی کرسکتے ہیں۔

وجئنا ببضاعۃ مزجاۃ

تشکر و امتنان

ناسپاسی ہوگی اگر ان تمام حضرات کا شکریہ نہ ادا کیا جائے جن کا تعاون دامے درمے اور سخنے حاصل رہا۔ اللہ ان تمام لوگوں کو جنہوں نے مالی تعاون فرمایا۔ اپنی طرف سے اپنی شایان شان جزائے خیر عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ مادر علمی دار العلوم دیوبند کو ظاہری و باطنی تمام شرور و فتن سے مصون و محفوظ

رکھے جس کے علمی وعرفانی ماحول کی برکتوں سے اس کام کی سعادت نصیب ہوئی ۔ نیز اساتذہ کرام جن کی پیہم نوازشات اور کرم فرمائیوں سے اس تالیف کا حوصلہ پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ ان کا سایہ تادیر قائم و باقی رکھے آمین ۔

حکیم الاسلام حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند استاذی حضرت مولانا انظر شاہ صاحب اور فخر القراء مولانا قاری محب الدین صاحب آلہ بادی مدظلہم العالی نے اپنی گرانقدر تقریظات سے نوازا ۔ اور اس طرح مؤلف کی ہمت افزائی فرمائی ۔

استاذی حضرت مولانا قاری عبداللہ سلیم صاحب دامت برکاتہم صدر القراء دارالعلوم دیوبند نے اپنے پر مغز اور علمی مقدمہ سے اس تالیف کو بیش قیمت بنایا ۔ بلاشبہ یہ فن کی روح اور زیرِ نظر تالیف کا عطر اور خلاصہ ہے ۔ مولانا محمد عثمان صاحب معروفی اعظمی نے جو دارالعلوم کے نامور فرزند ہیں اور اپنی دیگر خصوصیات کے ساتھ فن تاریخ گوئی میں ایک منفرد مقام کے مالک ہیں موصوف نے مادہائے تاریخ عنایت فرماکر کتاب کو رونق بخشی ۔

ناچیز ان سب حضرات کا بے حد شکر گذار ہے ۔

فجزاھم اللہ احسن الجزاء

ابو الحسن اعظمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مبادی[1]

تعریف قراءت اس علم کو کہتے ہیں جس سے کلماتِ قرآنیہ میں قرآن مجید کے ناقلین کا وہ اتفاق و اختلاف معلوم ہو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن لینے کی بنا پر ہے، اپنی رائے کی بنا پر نہیں۔

موضوع قراءت کا موضوع کلماتِ قرآنی ہیں، کیونکہ اس علم میں ان کلمات ہی کے تلفظ کے حالات سے بحث کی جاتی ہے۔

ثمرہ قراءت کا ثمرہ اور فائدہ یہ ہے کہ اس سے قرآن مجید تحریف و تغیر اور غلطی سے محفوظ رہتا ہے، اور ائمہ کی تمام قراءات بھی معلوم ہو جاتی ہیں۔

فضیلت قراءت کی فضیلت یہ ہے کہ یہ سب علوم سے افضل ہے کیونکہ اس کا تعلق کلامِ الٰہی کے ساتھ ہے جو افضل الکلام ہے۔

---

[1] کسی علم کے شروع کرنے سے پہلے جن امور کا جاننا ضروری ہوتا ہے انہیں مبادی کہتے ہیں، جو امورِ عشرہ کہلاتے ہیں۔ یعنی علم کی تعریف، موضوع، ثمرہ، فضیلت، نسبت، واضع، نام، استمداد، حکم، مسائل ؎

ان مبادی کل فن عشرۃ — الحد والموضوع ثم الثمرۃ
وفضلۃ ونسبۃ والواضع — والاسم الاستمداد حکم الشارع
مسائل والبعض بالبعض اکتفیٰ — ومن دری الجمیع حاز الشرفا

(العقد الفرید ص ۳)

نسبت اس کی نسبت دیگر علوم کے ساتھ تباین کی ہے، یعنی دوسرے علوم سے بالکل ممتاز اور جُدا ہے۔

واضع اس کے واضع قرارت کے ائمہ ہیں کیونکہ اس کو انہیں حضرات نے مرتب کیا ہے، اور بعض کے قول پہ ابوعمر حفص ابن عمر دوری ہیں۔

نام اس کا نام علم قرارت ہے

استمداد اس کا استمداد اور سہارا ائمہ کی ان صحیح اور متواتر نقلوں سے ہے جو ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچی ہیں یعنی کسی کا ایجاد کیا ہوا نہیں ہے۔

حکم اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا سیکھنا اور سکھانا واجب علی الکفایہ ہے پس اگر کوئی نہ سیکھے گا تو سب گنہگار ہوں گے۔

مسائل اس کے مسائل قواعد ہیں مثلاً جب دو ہمزہ قطعی ایک کلمہ میں جمع ہوں تو حرمی اور بصری ہمزۂ ثانیہ کی تسہیل کرتے ہیں وغیرہ

ضابطہ قرأت

ائمہ قرارت کے تلامذہ اور پھر ان کے بے شمار شاگرد تھے۔ ان میں تو بعض وہ تھے جو نہایت ضابط اور کامل تھے۔ ان کا حافظہ حد درجہ قوی تھا۔ نیز بے حد محتاط تھے، اور بعض ایسے تھے جن میں کسی وصف کی کمی تھی اس لیے اختلاف ظہور میں آنے لگا اور اندیشہ پیدا ہوا کہ حق و باطل اور صحیح و غلط میں امتیاز نہ رہے۔

چنانچہ علماء محققین و ماہرین نے اس خطرہ کو محسوس کیا، انہوں نے حروف کی تحقیق کی، طرق و روایات کو اچھی طرح جانچا پرکھا، متواتر، آحاد اور شاذ کو ایک دوسرے سے ممتاز کیا، اور فرق و امتیاز کے لیے کچھ اصول و ارکان متعین کیے۔ وہو ہذا۔

۱۔ نحوی وجوہ میں سے کسی ایک وجہ کے موافق ہو، نحو کی موافقت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی لفظ یا جملے میں قواعدِ نحوی کے اعتبار سے متعدد وجوہ ہوں تو قراءت ان میں سے کسی ایک وجہ کے موافق ہو۔

۲۔ مصاحف عثمانی میں سے کسی ایک مصحف کی رسم کے مطابق ہو، خواہ مطابقت ظاہراً ہو یا احتمالاً ہو یا تقدیراً۔

رسم عثمانی کی مطابقت سے مراد یہ ہے کہ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو آٹھ مصاحف لکھوائے تھے ان میں سے کسی ایک مصحف میں وہ قراءت لکھی ہوئی ہو گو سب میں نہ ہو۔

۳۔ صحیح اور متصل سند سے ثابت ہو یعنی اس کی سند نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہو، سنداً صحیح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس قراءت کا راوی خود بھی عادل ہو اور معتبر ضابط اور قوی الحافظ ہو، اور مروی عنہ بھی ایسا ہی ہو اور آخر سند تک جملہ رواۃ کا یہی حال ہو، نیز وہ قراءت اس فن کے ضابط ائمہ کے نزدیک مشہور ہو اور وہ اسے صحیح سمجھتے ہوں۔

پس جو قراءت ان ارکانِ ثلٰثہ کے موافق ہو گی وہ صحیح ہو گی اور اسے ان "سبعۃ احرف" میں سے قرار دیا جائے گا، جن پہ قرآن نازل ہوا۔ (نزولِ قرآن علی سبعۃِ احرف کی تفصیل عنقریب آئے گی) اور اس کا رد و انکار جائز نہیں بلکہ اس کا قبول کرنا مسلمانوں پہ واجب ہے۔

اگر کوئی رکن نہ پایا جائے یا خلل پذیر ہو جائے تو پھر وہ قراءت ضعیف، شاذ یا باطل ہے سلف اور خلف میں تمام محققین بلا اختلاف اس تعریف کو صحیح مانتے ہیں۔

حافظ ابو عمرو عثمان ابن سعید دانی رح (و ۳۷۱ھ م ۴۴۴ھ) اور ابو العباس احمد ابن عمار مہدوی (م ۴۳۰ھ) نے بھی یہی بیان کیا ہے اور ابو محمد مکی (م ۴۳۷ھ) نے متعدد مقامات میں ذکر کیا ہے۔ نیز علامہ ابو شامہ (و ۵۹۹ھ م ۶۶۵ھ) کی تحقیق بھی یہی ہے۔ فرماتے ہیں:-

وذکر المحققون من اهل العلم بالقراءة ضابطاحسنا فی تمیز ما یعتمد علیہ من القراءات ومایطرح ، فقالوا کل قراءۃ ساعد ھا خط المصحف مع صحۃ النقل فیہا ومجیئہا علی الفصیح من لغۃ العرب فہی قراءۃ صحیحۃ معتبرۃ فان اختل احد ھذہ الارکان الثلثۃ اطلق علی تلک القراءۃ انہا شاذۃ وضعیفۃ ، اشار الی ذلک کلام ائمۃ المتقدمین ونص علیہ ابو محمد مکی رحمہ اللہ تعالیٰ فی تصنیف لہ مرارا وھو الحق ۔ (ابراز المعانی ص۲)

اور تمام متقدمین کا بھی یہی مذہب ہے ۔

بعض متاخرین نے اس میں تواتر کی شرط لگائی ہے ، سند کی صحت کو کافی نہیں سمجھا ان کا خیال یہ ہے کہ قرآن تواتر ہی سے ثابت ہوتا ہے ۔

صاحب "عنایات" فرماتے ہیں کہ یہ مصر کے بعض علماء کی رائے تھی جس پر وہ صدیوں تک قائم رہے ، اسی لیے سید علی نوری الصفاقسی مصری نے "غیث النفع" میں تواتر کی شرط نہ لگانے کا بڑی شدت کے ساتھ رد کیا ہے ، لکھتے ہیں ؛

" الثانیۃ مذھب الاصولیین وفقہاء المذاھب الاربعۃ والمحدثین والقراء ان التواتر شرط فی صحۃ القراءۃ ولا تثبت بالسند الصحیح غیر المتواتر ولو وافقت رسم المصاحف العثمانیۃ والعربیۃ "

اس کے بعد ابو محمد مکی کا قول رجو اوپر گذر چکا ہے ، نقل کرتے ہوئے صاحب غیث لکھتے ہیں ؛

وتبعہ علی ذلک بعض المتاخرین ومشی علیہ ابن الجزری (وسنہ ۷۵۱ھ م سنہ ۸۳۳ھ) فی نشرہ وطیبتہ قال فیہا ؎

فکل ماوافق وجہ نحوی ۔۔۔ وکان للرسم احتمالا لا یحوی

وصح اسنادا ھو القرآن ۔۔۔ فہذہ الثلثۃ الارکان

وحیثما یختل رکن اثبت ۔۔۔ شذوذہ لو انہ فی السبعۃ

ھذا قول محدث لا یعول علیہ ویؤدی الی تسویۃ غیر القرآن بالقرآن الخ

(ص۶)

لیکن اس میں جو خرابی ہے وہ ظاہر ہے کیونکہ جب کوئی وجہ تواتر سے ثابت ہوجائے تو پھر باقی دو رکنوں (موافقت رسم و نحو) کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ جو اختلافی وجوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بالتواتر ثابت ہیں ان کا قبول کرنا واجب اور ان کی قرآنیت کا پختہ یقین کرنا ضروری ہے، خواہ موافق رسم ہو یا خلاف اور جب تمام وجوہ میں تواتر کی شرط لگا دیں گے تو بہت سی اختلافی وجوہ ختم ہوجائیں گی جو قراءِ سبعہ اور ان کے ماسوا سے ثابت ہیں۔

صاحب نشر علامہ جزری فرماتے ہیں کہ پہلے میری بھی رائے یہی تھی پھر جب اس کی خرابی ظاہر ہوئی تو میں نے ائمہ سلف اور خلف کی رائے کی طرف رجوع کر لیا۔

قراءت کا مدار نقل پر ہے

قراءت میں قیاس کا کوئی دخل نہیں، فقہی قیاس اور اجتہادی رائے سے اس کا کوئی تعلق نہیں[1]۔ جلیل القدر صحابہؓ نے اس چیز پر بہت زور دیا ہے، چنانچہ سیدنا حضرت عمرؓ علیؓ اور زید ابن ثابت رضی اللہ عنہم کا ارشاد ہے۔

امرکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقرءوا القرآن کما علمتم

---

[1] فقہاء اور قراء کے اختلاف میں فرق یہ ہے کہ فقہاء کا اختلاف اجتہادی ہوتا ہے اور قراء کا روایتی اسی وجہ سے فقہ کی اختلافی وجوہ میں سے واقع میں ایک صحیح، حق و درست ہے اور ہر مذہب دوسرے کی نسبت درست ہے لیکن احتمال خطا رکھتا ہے، برخلاف اس کے قراءت کی اختلافی وجوہ میں سے ہر ایک صحیح، حق، منزل من اللہ اور کلام الٰہی ہے، جس پر ہم ایمان رکھتے ہیں اور ہمارا اعتقاد ہے کہ جس صحابی یا تابعی کی طرف اس وجہ کی نسبت ہوتی ہے اس نے اس کو اسی طرح پڑھا تھا، اپنے لیے لازم کر رکھا تھا، اور وہ اس کے لیے اضبط واقرأ تھا۔

یعنی تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ قرآن کو اسی طرح پڑھو جس طرح تمہیں سکھایا گیا ہے محمد ابن المنکدر، عروہ ابن زبیر، عمر ابن عبد العزیز اور عامر شعبی فرماتے ہیں کہ قراءت سنت متبعہ ہے کہ پچھلا اگلے سے اخذ کرتا چلا آتا ہے پس تم کو جس طرح پڑھائی جائے اسی طرح پڑھو، حافظ ابو شامہ لکھتے ہیں:

"ثم عن محمد بن المنکدر، وعروۃ بن الزبیر وعمر بن عبد العزیز وعامر الشعبی رضی اللہ عنہم یعنی انھم قالوا ان القراءۃ سنۃ یاخذھا الاخر عن الاول فاقرءوا کما علمتموہ۔ قال زید ابن ثابت القراءۃ سنۃ"۔ (ابراز المعانی ص۲)

سید علی النوری صفاقسی رقم طراز ہیں:

السادس علم الاسانید وھو الطرق الموصلۃ الی القرآن وھو من اعظم مایحتاج الیہ لان القرآن سنۃ متبعۃ ونقل محض فلابد من اثباتہا وتواترھا"۔ (الغیث النفع ص۹)

امام نافع (د ۷۰ھ م ۱۶۹ھ) اور امام ابو عمرو (د ۶۸ھ یا ۶۹ھ م ۱۵۴ھ یا ۱۵۵ھ) کا ارشاد ہے کہ اگر یہ پابندی نہ ہوتی کہ جس طرح ہم نے پڑھا ہے اسی طرح پڑھیں تو ہم فلاں حرف کو اس طرح اور فلاں حرف کو اس طرح پڑھتے۔

علامہ شاطبیؒ (د ۵۳۸ھ م ۵۹۰ھ) قصیدۂ شاطبیہ لامیہ میں "باب مذاہبہم فی الراءات" کے تحت شعر ۳۵۴ میں فرماتے ہیں۔

وما لقیاس فی القراءۃ مدخل   فدونک ما فیہ الرضا متکفلا

یعنی قراءت میں قیاس کا کوئی دخل نہیں، ناقلین سے جو کچھ پہنچا ہے اسی کو اختیار کرنا چاہیئے، اسی پہ قائم رہنا چاہیئے، اسی میں رضاء الٰہی ہے۔

امام کسائی نحوی کوفی رح (م ۱۸۹ھ) قرآن مجید کو مشافہتہً سیکھنے والوں کے منہ سے حاصل کرنے کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ:

الفاظ قرآنیہ کا احاطہ طاقت بشری سے باہر ہے اس لیے قاری رسم خط مصحف پہ

انحصار و اعتماد نہ کرے بلکہ قرآن مجید کو ان قاریوں کے منہ سے حاصل کرے جنہوں نے سلسلہ بسلسلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنداً حاصل کیا تھا۔

پس یہ ضروری ہے کہ قرآن مجید کسی مستند اُستاذ سے جس نے بقراءتِ متواترہ، مشہورہ، مسلسلہ سیکھا ہو۔ پڑھا جائے، کیونکہ قرآن مجید صرف آنکھ سے دیکھ کر نہیں سیکھا جاسکتا بلکہ کان سے سن کر اسی کے مطابق ادائیگی پر قدرت حاصل کرنے سے سیکھا جاتا ہے اگر ایسا نہ کیا جائے تو بے شمار غلطیوں کا اندیشہ رہتا ہے۔

صفحہ ۱۰

نزولِ قرآن علیٰ سبعۃ احرفٍ کی حدیث

قرآن مجید کے سات حروف پر نازل ہونے کی حدیث، بخاری شریف کی حدیث متواترہ ہے جو سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، فرماتے ہیں کہ:

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہشام ابن حکیم کو دیکھا کہ سورۂ فرقان نماز کے اندر ایسے طریقے سے پڑھ رہے ہیں جس طریقہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں پڑھایا تھا، مجھے غصہ آیا اور میں نے چاہا کہ نماز ہی میں لڑ پڑوں مگر میں نے تحمل کیا، جب نماز سے فراغت ہوئی تو میں نے ان کے گلے میں چادر ڈال دی اور پوچھا کہ پڑھنے کا یہ طریقہ تم نے کس سے سیکھا، انہوں نے جواب دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، میں نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو، مجھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے طریقے سے سکھلایا ہے، پھر میں انہیں کھینچتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ سورۂ فرقان اور ہی طریقہ سے پڑھتے ہیں جو آپ نے ہمیں نہیں بتایا، آپ نے فرمایا، ہشام کو چھوڑ دو، اور ہشام سے فرمایا، اچھا پڑھو تو سہی، پس انہوں نے اسی طرح پڑھا جیسا میں نے ان سے (نماز میں) سنا تھا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا، یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی ہے پھر مجھ سے فرمایا اے عمر! تم پڑھو، تو میں نے اسی

طریقہ سے پڑھا جو آپ نے مجھے تعلیم فرمائی تھی۔ سن کر آپ نے فرمایا، یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی ہے۔ بلاشبہ قرآن سات طریقہ پہ نازل ہوا ہے جس طریقہ سے آسان معلوم ہو وہ طریقہ اختیار کرے۔" (بخاری شریف ج ۲ ص ۷۴۷)

امام ابوعبید القاسم ابن سلام (تیسری صدی کی شخصیت ہیں، آپ کا سن وفات معلوم نہ ہوسکا) فرماتے ہیں کہ یہ حدیث متواتر ہے، محقق جزریؒ نے اس کے طرق کو مستقل ایک رسالہ میں جمع کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

اس حدیث کو باختلاف متن حضرت عمرؓ، ہشام ابن حکیم ابن حزامؓ، عبدالرحمن ابن عوفؓ ابی ابن کعبؓ، عبداللہ ابن مسعودؓ، معاذ ابن جبلؓ، ابوہریرہؓ، عبداللہ ابن عباسؓ، ابوسعید خدریؓ، حذیفہ ابن الیمانؓ، ابوبکرہؓ، عمرو بن العاصؓ، زید بن ارقمؓ، انس ابن مالکؓ، سمرہ ابن جندبؓ، عمر بن ابی سلمہؓ، ابوجہمؓ، ابوطلحہؓ، ام ایوب انصاریؓ رضی اللہ عنہم اجمعین نے روایت کیا ہے۔

حافظ ابویعلی موصلی مسند کبیر میں لکھتے ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روز ممبر پہ کھڑے ہو کر صحابہ کرامؓ سے کہا کہ میں ان حضرات کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ الفاظ سنے ہوں " ان القرآن انزل علی سبعة احرف کلها شاف کاف" وہ کھڑے ہو جائیں، اس پہ صحابہ کرامؓ کی اتنی بڑی جماعت مسجد میں کھڑی ہو گئی جس کی گنتی اور شمار نہیں ہو سکتا، اور سب نے اس پہ گواہی دی، پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں بھی اس پہ گواہ ہوں۔

اہل علم نے اس حدیث پہ مختلف عنوانات سے بحث کی ہے، حافظ ابوشامہ نے ان کو ایک مستقل کتاب میں جمع کیا ہے۔ نیز علماء نے چند نئی بحثیں بھی کی ہیں۔

محقق جزریؒ فرماتے ہیں کہ مجھے غور کرنے سے یہ تمام مباحث دس عنوانات میں منحصر معلوم ہوتے ہیں:۔

---

۱ مسلم شریف ج ۱ ص ۲۷۲، ۲۷۳۔

۱۔ سات حروف پر نازل ہونے کا سبب۔ ۲۔ حروف کے حقیقی اور مجازی معنی۔ ۳۔ حروف کا مقصد۔ ۴۔ نزول علیٰ سبعۃِ احرف ہی کیوں؟ ۵۔ اختلافِ حروف سے علمی فوائد و احکام کیا ہیں؟ ۶۔ سبعۃ احرف کے کتنے معانی ہیں؟ ۷۔ سبعۃ احرف قرآن میں متفرق ہیں؟ ۸۔ مصاحف عثمانی میں یہ سبعہ احرف ہیں؟ ۹۔ قراءاتِ مروّجہ سات لغات کا کل ہیں یا بعض؟ ۱۰۔ اختلاف کی نوعیت تضاد کی نہیں۔

ان عنواناتِ عشرہ کا تفصیلی ذکر آرہا ہے۔

نزولِ قرآن علیٰ سبعۃ احرف کا سبب

سات حروف پر نازل ہونے کے سبب سے متعلق علامہ سید علی النوری الصفاقسی نے بہت تفصیل سے لکھا ہے جس کی تلخیص اور ترجمہ پیش کرتے ہیں۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اعلیٰ ترین کتاب اور اشرف ترین رسول عطا فرما کر جملہ اُمم پر فوقیت اور برتری دی، نیز ان کی توسیع، ان پر رحمت فرمانا اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کی قبولیت منظور تھی اس لیے امت کی مزید آسانی اور سہولت کے پیشِ نظر قرآنِ مجید کو، حروف پر نازل فرمایا، چنانچہ جبرئیل علیہ السلام نے آکر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یہ حکم دیتے ہیں کہ آپ کی امت قرآنِ مجید کو ایک ہی حرف پر پڑھے، آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے معافیت اور مغفرت کی درخواست کرتا ہوں، کیونکہ میری امت اس پر عمل نہ کرسکے گی۔

اور آپ بار بار سوال کرتے رہے حتیٰ کہ شمار سات حروف تک پہنچ گیا۔

حدیث کا پورا متن درج ذیل ہے:۔

ابی بن کعبؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان عند اضاۃ بنی غفار، قال فاتاہ جبریل علیہ السلام فقال ان اللہ یامرك ان تقرأ امتك القرآن علی حرف، فقال اسئال اللہ معافاتہ ومغفرتہ وان امتی لا تطیق ذلك

ثم اتاہ الثانیہ فقال ان اللہ یا مرک ان تقرأ امتک القرآن علی حرفین فقال اسأل اللہ معافاتہ ومغفرتہ وان امتی لا تطیق ذلک ثم جاءہ الثالثۃ فقال ان اللہ یامرک ان تقرأ امتک القرآن علی ثلثۃ احرف فقال اسأل اللہ معافاتہ ومغفرتہ وان امتی لا تطیق ذلک ثم جاءہ الرابعۃ فقال ان اللہ یامرک ان تقرأ امتک القرآن علی سبعۃ احرف فایما حرف قرأوا علیہ فقد اصابوا۔ (مسلم شریف ج ا ص ۲۷۳)

امام ترمذی حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں:۔

"عن ابی بن کعب قال لقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبریل فقال یا جبریل انی بعثت الی امتی الامیین منہم العجوز والشیخ الکبیر والغلام والجاریۃ والرجل الذی لم یقرأ کتابا قط قال یا محمد ان القرآن انزل علی سبعۃ احرف"۔ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۱۸)

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن، صحیح کہا ہے۔

نیز یہ بھی روایت میں آتا ہے کہ قرآن سات دروازوں سے سات حروف پہ نازل ہوا اور کتب سابقہ ایک ہی دروازے سے ایک ہی حرف پہ نازل ہوتی تھیں۔

یہ فرق اس لیے تھا پہلے انبیاء علیہم السلام کو صرف ان کی قوم کے لیے بھیجا جاتا تھا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سرخ وسیاہ، عرب وعجم تمام مخلوق کے لیے بھیجا گیا اور قرآن لغت عرب میں نازل ہوا تھا، ان کے لغات جدا جدا تھے، زبانیں متفرق تھیں۔ ایک لغت والے کو دوسرے کی لغت میں پڑھانہ صرف دشوار تھا بلکہ ناممکن تھا، اور تعلیم وتدبر سے غیر ممکن تھا علی الخصوص بوڑھوں، عورتوں اور ان پڑھ لوگوں کو اور بھی دشوار تھی جیساکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف احادیث صحیحہ میں ارشاد فرمایا ہے "وان امتی لا تطیق ذالک" وغیرہ یعنی میری امت سے اس پہ عمل نہیں ہو سکے گا، پس اگر اس حالت میں چارو ناچار بہر حال سب کو لغت واحد ہی میں پڑھنے کا حکم ہوتا تو یہ تکلیف مالایطاق ہوتی، یا کم از کم سخت مشقت پیش آتی اور اس کی تلاوت سے طبائع ہٹ جاتیں۔

ابو محمد عبداللہ ابن قتیبہ الدینوری بغدادی (م ۲۷۶ھ)، اپنی کتاب "مشکل" میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سہولت و آسانی عطا کرنے کے لیے حکم دیا کہ اپنی امت کو ان کی زبان اور عادت کے مطابق الفاظ میں قرآن پڑھائیں، چنانچہ ہذیل حتّیٰ کی بجائے عتّیٰ بولتے تھے۔ اسدی تِعلمو اور تِعلم وغیرہ میں علامتِ مضارع کو کسرہ سے ادا کرتے تھے، بنو تمیم یُؤمنون اور شئت وغیرہ میں ہمزہ پڑھتے تھے، اور قریش بجائے ہمزہ کے ابدال (بالمد) کرتے تھے، اور بعض قِیل اور غِیض میں اشمام کرتے تھے۔ بعض عَلَیْھِمْ میں اِلَیْھُمْ بضم الہاء اور بعض عَلَیْھِمُو، مِنْھُمُو بالصلہ پڑھتے تھے، بعض قَدْ اَفْلَحَ وغیرہ میں نقل ہمزہ کرتے تھے، بعض مُوسیٰ عیسیٰ دُنیا کو امالہ کبریٰ سے اور بعض تقلیل (امالہ صغریٰ) سے پڑھتے تھے، بعض خبیرًا اور بصیرًا کو ترقیق اور بعض الصّلوٰۃ اور الطّلاق کو تغلیظ اللام (لام کی تفخیم) پڑھتے تھے۔

ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ اگر ان حضرات میں سے ہر گروہ یہ چاہتا کہ وہ اپنے لغت، اپنی بچپن، جوانی اور بڑھاپے کی پڑی ہوئی عادت کو چھوڑ دے تو اس میں سخت دشواری اور مشکل پیش آتی، نیز عرصہ تک مشق و مزاولت کرنے، زبان کو مسخر کرنے اور عادت کے ترک کے بعد ممکن ہوتا۔ پس حق سبحانہٗ نے جس طرح امت کو دین میں آسانی دی تھی، اسی طرح اپنے لطف و انعام سے قرآن کے لغات و حرکات میں بھی وسعت عطا فرما دی۔ (نشر)

دوسری حکمت

یہ معلوم ہے کہ نزول قرآن کے وقت اہل عرب میں سب سے بڑا ہنر اور فن فصاحت و بلاغت اور بیان و خطابت میں کمال تھا، اہل کمال اپنے کمالات جلسوں، میلوں اور خاص خاص مجامع میں بڑے بڑے فصحاء کی مجالس میں پیش کرتے تھے۔ اور اپنے کمالات کا مظاہرہ کرتے تھے، کعبۃ اللہ اس کا سب سے بڑا اکھاڑا تھا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت قرآن "قل لئن اجتمعت الانس و الجن" الخ (بنی اسرائیل آیت ۸۸) پیش کرکے نہ صرف اہل عرب کو بلکہ تمام مخلوق کو

چیلنج دیا تھا کہ قرآن جیسی کوئی کتاب بنا کر لائیں۔

پس اگر قرآن ایک ہی لغت میں نازل ہوتا تو دوسرے لغت والوں کو یہ کہنے کی گنجائش رہتی کہ اگر ہمارے لغت میں ہوتا تو ہم اس کا مثل بنا لاتے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ بالا میں کذب کا وہم ہو جاتا، حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور بری ہے۔

صاحبِ غیث لکھتے ہیں:۔

"وفیہ حکمۃ اخریٰ وھی انہ صلی اللہ علیہ وسلم تحدی بالقراٰن جمیع الخلق" قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یاتوا بمثل ھذا القراٰن لا یاْتون بمثلہ" الایۃ"۔

فلواتی بلغۃ دون لغۃ لقال الذین لم یات بلغتھم لواتی بلغتنا لا تینا بمثلہ، وتطرق الکذب الی قولہ تعالیٰ، عن ذلک علواً کبیرًا ——— (غیث النفع صـ۶)

چنانچہ جب عرب میں اسلام کی اشاعت ہوئی اور فصحاءِ عرب ملک کے حصوں سے قرآن مجید سیکھنے کے لیے آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی کے کلمات کو ان پہ واضح کر کے فرمایا کہ تمہارے یہاں تو فلاں لفظ کی ادائیگی امالہ سے فصیح مانی گئی، تو ان فصحاء نے اقرار کیا کہ بیشک ایسا ہی ہے، اس پہ آپ نے اجازت دی کہ تم اس طرح ادا کرو لبعضوں کے یہاں قَدْ جَاءَكُمْ میں دال کا جیم میں ادغام فصیح مانا جاتا تھا ان کو اسی طرح اجازت دی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کی اجازت دیتا ہے۔ اس سے وہ فصحاء بھی اپنی جگہ قائل ہو گئے کہ کلام کتنا معجز ہے، نیز ان کو سہولت حاصل ہو گئی۔

صاحب "غیث" نے آخر میں ایک اعتراض اور پھر اس کا جواب ارقام فرمایا ہے جو درج ذیل ہے۔

س ——— جب سات حروف سے مراد سات لغات ہیں (جن میں ایک لغت قریش کا بھی ہے)، تو پھر سیدنا حضرت عمر اور حضرت ہشام ابن حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قراءت سورۂ فرقان میں جدا جدا کیوں تھیں؟ کیا وہ دونوں حضرات قریشی نہیں تھے؟

ج —— دونوں حضرات تھے تو قریشی لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں کا لغت بھی ایک ہی ہو ممکن ہے ایک شخص قریشی ہو اور اس کی پرورش کسی اور قوم میں ہوئی ہو اور اس نے ان کا لغت سیکھ لیا ہو اور اسی زبان میں گفتگو کرتا ہو، اور عربوں میں یہ بات کثرت سے پائی جاتی ہے۔

حدیث میں ہے کہ میں تم سب سے زیادہ فصیح اور میری زبان سعد بن بکر کی زبان ہے۔ نیز یہ بھی آیا ہے کہ میں خالص عرب ہوں اور قریش میں پیدا ہوا ہوں اور بنی سعد میں پرورش پائی ہے، میرے پاس لحن (غلطی) کہاں سے آسکتی ہے، اور قرآن میں ہے "وَهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْن" پس عرب کو عام رکھا ہے اور کسی قبیلہ کو خاص نہیں کیا۔ (غیث النفع)

حروف کے حقیقی و مجازی معنی

لغت میں حرف چھ معنی میں آتا ہے۔

۱ حافہ، ۲ ناحیہ، ۳ وجہ، ۴ طرف، ۵ حد، ۶ کسی چیز کا ٹکڑا۔ اسی لیے حروف ہجا میں سے کسی ایک کو بھی حرف کہتے ہیں، گویا وہ بھی کلمہ کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے۔

حافظ ابو عمرو دانیؒ کے قول پہ حدیث میں جو اَحْرُف ہے اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں:۔

وَجْہ: یہ لغوی معنی ہے یعنی قرآن سات وجوہ پہ نازل ہوا ہے اور سورۂ الحج ع ۲ میں —— "ومن الناس من یعبد اللّٰہ علی حرف فان اصابہ خیر ن اطمئن بہ وان اصابتہ فتنۃ ن انقلب علی وجہہ" بھی اسی قبیل سے ہے، یعنی بعض لوگ اللہ کی عبادت ایک وجہ پہ کرتے ہیں، پھر آگے اس کی توضیح فرمائی ہے کہ اگر اس کو خیر (نعمت وراحت، مال وعافیت، قبولیتِ دعا یہ چیزیں) حاصل ہوتی ہے تو ایمان پہ جما رہتا ہے، اور عبادت کرتا رہتا ہے، اور اگر سختی اور نقصان کی حالت پیش آجاتی ہے تو کفر اختیار کر لیتا ہے

اور عبادت چھوڑ دیتا ہے۔

قراءت :۔ یہ مجازی معنی ہیں اس لیے کہ اہل عرب کی عادت ہے کہ کبھی کسی شئے کا وہ نام بھی رکھ دیتے ہیں جو اس کے جزو یا مقارب و مناسب، یا سبب یا اس سے متعلق چیز کا نام ہوتا ہے۔

پس چونکہ مختلف قراءت حرف ہی میں تغیر سے پیدا ہوتی ہیں (چنانچہ حرکات کی تبدیلی، ایک حرف کا دوسرے سے ابدال، تقدیم و تاخیر، اِمالہ، زیادتی و کمی یہ سب تبدیلیاں حرف ہی میں ہوتی ہیں) اس لیے اہل عرب کی عادت اور ان کے استعمال پر اعتماد کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قراءت کو (گو وہ طویل کلام ہو) مجازاً حرف فرمادیا۔ پس یہاں کل کے بجائے جزو کا نام استعمال کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ :۔

حدیث میں جو حرف ہے وہ لغتاً "وجہ" اور مجازاً "قراءت" کے معنی میں ہے محقق جزری رح فرماتے ہیں کہ حدیث میں دو معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ لیکن قوی یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ـــــــ "انزل علی سبعۃ احرف" میں تو اَحرُف سے مراد وجوہ لی جائیں اور سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول (سمعت ھشامًا یقرأ سورۃ الفرقان علی حروف کثیرۃ لم یقرأنیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) میں حروف سے قراءت مراد لی جائیں۔

سات حروف کا مقصد

سات حرف کا مقصد کیا ہے؟

اس میں تقریباً چالیس اقوال ہیں لیکن علامہ حافظ ابوعمرو دانی رح اور اکثر محققین، نیز جمہور اہل ادا کی رائے پر سات حروف سے سات لغات مراد ہیں۔

لیکن اسی کے ساتھ درج ذیل تین باتوں پر اجماع ہے :۔

۱۔ جبریل، ارجہ، هَیتَ، اُفٍّ، هَیْهَاتَ وغیرہ قلیل کلمات کے سوا ہر ایک کلمہ سات طرح نہیں پڑھا جاتا۔

۲۔ ان سات سے مراد قرآءِ سبعہ کی قراءات نہیں ہیں، کیونکہ جس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث "سبعۃ احرف" ارشاد فرمائی تھی اس وقت تو قرآءِ سبعہ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ ان کی قراءت کو سب سے پہلے چوتھی صدی ہجری میں ابوبکر ابن مجاہد (چوتھی صدی کی عظیم ترین، بیحد مقبول شخصیت) نے "کتاب السبعہ"[لہ] میں جمع کیا ہے۔

۳۔ قرآءِ سبعہ کی قراءت بھی ان سات میں داخل ہیں۔

پھر اس بارے میں اختلاف ہوا ہے کہ یہ سات لغات کس کس قبائل کے ہیں پس ابو عبید کے قول پر قریش، هذیل، ثقیف، ھوازن، کنانہ، تمیم، یمن، ان سات قبائل کے لغات ہیں یعنی قرآن مجید کا کچھ حصہ لغت قریش میں ہے اور کچھ حصہ لغتِ ہذیل میں وقس علی ھذا۔

دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ پانچ لغت تو ہوازن کے پانچ شعبوں (سعد، ثقیف، کنانہ، ہذیل، قریش) کے ہیں اور دو لغت تمام اہل عرب کی زبانوں کے ہیں۔

لیکن محقق جزریؒ فرماتے ہیں کہ یہ اقوال خالی از شبہ نہیں ہیں، کیونکہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ سیدنا حضرت عمر اور ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سورۂ فرقان کی قراءت میں اختلاف کیا حالانکہ دونوں حضرات قرشی ہیں، ایک ہی قبیلے کے ہیں اور لغت بھی ایک ہے (اس کا جواب ماسبق میں گذر چکا ہے)

محقق جزری نے چار اقوال اور بیان کیے ہیں:۔

۱۔ بعض کا قول یہ ہے کہ ان سات سے احکام کے معنی مراد ہیں، یعنی حلال و حرام محکم و متشابہ، امثال، انشاء، اخبار۔

لہ: مزید تعارف وتبصرہ "فن قراءت کی تصنیفات" کے ذیل میں آگے آئے گا۔

۲۔ بعض کے قول پہ ناسخ، منسوخ، خاص، عام، مجمل، مبیّن، مفسّر ہیں۔
۳۔ بعض کی رائے پر امر، نہی، طلب، دعا، خبر، استخبار، زجر ہیں۔
۴۔ بعض کے قول پہ وعدہ، وعید، مطلق، مقید، تفسیر، اعراب، تاویل ہیں۔

پھر فرماتے ہیں کہ یہ چاروں اقوال بھی صحیح نہیں ہیں، کیونکہ صحابہ کرام رض کا اختلاف تفسیر و احکام میں نہیں تھا، بلکہ کلمات کی قراءت میں تھا۔

ایک سوال اور اس کا جواب

طبرانی نے عمر بن سلمہ سے حدیث نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اور کتابیں تو آسمان کے ایک دروازے سے نازل ہوتی تھیں اور قرآن سات دروازوں سے سات حروف پہ نازل ہوا ہے اور وہ ابواب یہ حروف ہیں:۔

حلال، حرام، محکم، متشابہ، ضرب و امثال، امر، زاجر، پس اس کے حلال کو حلال جانو اور حرام کو حرام سمجھو، اور اس کے محکم پہ عمل کرو اور متشابہ میں رائے زنی سے رک جاؤ، اور اس کے امثال سے عبرت حاصل کرو۔ کیونکہ یہ سب حق تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اور غور و فکر تو عقل والے کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سات حروف سے سات چیزیں مراد ہیں، پھر ان سب اقوال کو غیر صحیح کہنا کیونکر درست ہوگا؟

جواب:۔

۱۔ سَبْعَۃ (سات) کا لفظ اس حدیث میں بھی آیا ہے اور سبعۃ اَحْرُف والی حدیث میں بھی لیکن سات سے یہاں اور چیزیں مراد ہیں اور وہاں اور۔
دلیل یہ ہے کہ اس حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سبعۃ کی تفسیر ان سات چیزوں سے فرمائی ہے اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھنے کا حکم دیا

ہے اور آخر میں فان کلا من عند ربنا لا کر اس کو مؤکد بھی فرمادیا ہے۔

۲۔ یا یوں کہئے کہ سبعۃ احرف تو دونوں جگہ ایک ہی ہے اور اس سے دونوں وجوہ اور قراءت ہی مراد ہیں لیکن حلال وحرام الخ ابواب کی تفسیر ہے نہ کہ احرف کی۔

۳۔ یا یہ کہ حلال وحرام نہ سبعۃ احرف کی تفسیر ہے نہ سبعۃ ابواب کی بلکہ اس میں ایک مستقل اور جدا بات بتائی ہے کہ قرآن میں یہ چیزیں بھی ہیں اور یہ بھی سات ہیں۔

نزول علیٰ سبعۃ احرف ہی کیوں؟

اس کی وجہ کہ سات ہی حروف پر کیوں نازل ہوا کم یا زیادہ پر کیوں نہیں ہوا؟
اکثر حضرات کہتے ہیں کہ عرب کے اصل اور بڑے بڑے قبائل سات ہی تھے یا فصیح لغات سات تھے (اسی لیے سات ہی پہ نازل ہوا) لیکن یہ دونوں محض دعوے ہیں۔
اور بعض کہتے ہیں کہ سبعۃ سے سات کا عدد مخصوص مراد نہیں جس میں زیادتی و کمی کی گنجائش نہ ہو، بلکہ اس میں وسعت وسہولت دے کر اللہ تعالیٰ نے اجازت دیدی ہے کہ قرآن کو لغات عرب میں سے جس لغت میں پڑھنا چاہیں پڑھ سکتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ نزول کے خلاف نہ ہو۔ اور اہل عرب کی عادت ہے کہ سبعۃ، سبعین اور سبعمائۃ بولتے ہیں اور اس سے عدد معین کے بجائے کثرت مراد لیتے ہیں۔
چنانچہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل (بقرہ) اور ان تستغفر لھم سبعین مرۃ (توبہ) اور حدیث والحسنۃ الی سبعمائۃ ضعف الی اضعاف کثیرۃ اور الایمان بضع و سبعون شعبۃ — اسی قبیل سے ہے۔
یہ توجیہہ بظاہر تو عمدہ تھی لیکن حقیقتاً صحیح نہیں کیونکہ ذیل کی حدیث جو متعدد طرق سے آئی ہے اس کے معارض ہے۔
چنانچہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قرآن ایک

حرف پر لے کر آئے تو حضرت میکائیل علیہ السلام نے آپ سے عرض کیا کہ زیادتی کی درخواست کیجئے۔ اس پر آپ نے حق تعالیٰ سے اپنی امت کے لیے آسانی کی درخواست کی، پھر دو حرفوں میں لے کر آئے، میکائیل علیہ السلام نے پھر عرض کیا کہ زیادتی کی درخواست کیجئے، آپ نے پھر آسانی کا سوال کیا تو تین حرفوں پہ لائے، اسی طرح ہوتا رہا حتیٰ کہ شمار سات حروف تک پہنچ گیا۔ (نسائی)

ابو بکرہ کی حدیث میں ہے کہ اس کے بعد میں نے میکائیل علیہ السلام کو دیکھا تو وہ خاموش ہو گئے۔ میں نے اس سے سمجھ لیا کہ اب شمار ختم ہو چکا ہے۔ (اس پہ زیادتی نہیں ہوگی) پس یہ دلیل ہے اس پر کہ معین عدد مراد ہے نہ کہ کثرت۔

محقق جزریؒ فرماتے ہیں کہ میں نزول قرآن علی سبعۃ احرف کی حدیث میں تیس ۳۰ سال سے زیادہ عرصہ تک غور وفکر کرتا رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اس کا ایک مطلب ظاہر فرما دیا ممکن ہے کہ وہ صحیح ہو، وہ یہ ہے کہ میں نے صحیح، شاذ، ضعیف، منکر، تمام قراءات کو تلاش کیا تو ان کے تغیر کو ذیل کے سات قسموں سے باہر نہیں پایا انہیں اقسام سبعہ میں کسی نہ کسی طرح کا تغیر ہوتا ہے۔

۱۔ حرکات میں تغیر ہو جائے لیکن لفظ کی صورت و معنی میں بالکل نہ ہو جیسے بالبُخْلِ بالبَخَل (اس میں چار وجوہ ہیں، باقی دو شاذ ہیں) یَحْسِبُ یَحْسَبُ۔

۲۔ حرکات و معنی میں تغیر ہو جائے صورت میں نہ ہو، جیسے فتلقیٰ آدمُ من ربِّہٖ کلمات اور آدمَ من ربّہ کلماتٌ۔

۳۔ حرف و صورت میں تغیر ہو جائے لیکن معنی میں نہ ہو جیسے بصطۃً، بسطۃً اور الصّراط، السّراط

۴۔ حروف و معنی میں تغیر ہو جائے مگر صورت میں نہ ہو، جیسے تَبْلُوا، تَتْلُوا اور نُنَجِّيكَ، نُنَحِّيكَ۔

۵۔ حروف، معنی اور صورت تینوں ہی میں تغیر ہو جائے، جیسے اَشَدَّ مِنکُم، اَشَدَّ مِنهُم، یَأتَلِ، یَتَألّ اور فاسعوا الیٰ ذکر اللہ، فامضوا الیٰ ذکر اللہ۔

۶۔ تقدیم وتاخیر کا تغیر ہو جیسے فَيَقْتُلُونَ (معروف) وَيُقْتَلُونَ اور فَيُقْتَلُونَ، و يَقْتُلُونَ اور شاذ قراءت میں وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْحَقِّ بِالْمَوْتِ

۷۔ حروف کی زیادتی وکمی کا تغیر جیسے واوصی، وَوَصّٰی۔

اور رہے اصولی اختلافات جیسے اظہار، ادغام، روم، اشمام، تفخیم، ترقیق، مد، قصر امالہ، فتحہ، تحقیق، تسہیل، ابدال، نقل، تو ان میں لفظ ومعنی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، صرف کیفیت میں ہوتی ہے اور اگر مان لیں کہ ان سے بھی لفظ میں تغیر ہوتا ہے، تو پھر یہ ان سات قسموں میں داخل ہوں گے۔

محقق جزریؒ فرماتے ہیں کہ پھر ہم نے دیکھا تو ابو الفضل رازی اور ابن قتیبہ نے بھی یہی تقریر کی ہے جو ہم نے کی ہے، یعنی ان حضرات نے بھی سات حروف سے لفظی تغیر کی سات قسمیں مراد لی ہیں۔

علامہ جزریؒ کے اصل الفاظ بھی ملاحظہ فرمائیں:۔

وقال المحقق الجزری ولا زالت استشکل هذا الحدیث وافکر فیه وامعن النظر من نیف وثلاثین سنة حتی فتح الله علی بما یمکن ان یکون صوابا ان شاء الله وذلك انی تتبعت القرأت صحیحها وشاذها وضعیفها ومنکرها فاذا هو یرجع اختلافها الی سبعة اوجه من الاختلاف لا یخرج عنها وذلك اما فی الحرکات بلا تغیر فی المعنی والصورة نحو البُخْلِ باربعة ویحْسِبُ بوجهین او بتغیر فی المعنی فقط نحو فتلقیٰ ادم من ربه کلماتٍ وامّا فی الحروف بتغیر فی المعنی لا فی الصورة نحو تَبْلُوا تَتْلُوا، وعکس ذلك نحو بصطة، بسطة او بتغیرهما نحو اشد منکم ومنهم، واما فی التقدیم والتاخیر نحو فَيَقْتُلون ويُقْتَلون او فی الزیادة نحو وَاَوْصٰی وَوَصّٰی فهذه سبعة اوجه لا یخرج الاختلاف عنها ثم رأیت ابا الفضل الرازی حاول ما ذکرته وکذا ابن قتیبة حاول ما حاولنا بنحو اخر، انتهی۔

(غیث النفع)
ص۵

اختلاف حروف سے علمی فوائد و احکام

سات حروف کے اختلاف سے بہت سے احکام اور علمی فوائد نکلتے ہیں بطور نمونہ علمی فوائد کی چند مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ متفق علیہ حکم کا اظہار جیسے سورۂ نساء میں "وَلَہٗ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ" کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی قراءت میں مِنْ اُمٍّ کا لفظ بھی ہے اس سے خوب ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہاں وہ بھائی بہن مراد ہیں جو اخیافی (ماں شریک) ہوں، اور اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

اور اسی لیے مسئلہ مشترکہ میں علماء کی رائے مختلف ہے، اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ کسی مرنے والے نے چار قسم کے وارث چھوڑے۔

۱۔ میاں بیوی میں سے کوئی ایک،

۲۔ ماں یا دادی اور نانی میں سے کوئی ایک،

۳۔ اخیافی بہن بھائی،

۴۔ علّتی بھائی بہنوں میں سے ایک یا زائد،

پس اکثر صحابہؓ اور ان کے بعد کے لوگوں کی رائے پر اخیافی اور علّتی دونوں قسم کے بھائی بہن ایک تہائی میں شریک ہوں گے، کیونکہ سب ایک ماں سے ہیں اور یہی حضرت امام شافعی (م ۲۰۴ھ) امام مالک (و ۹۳ھ م ۱۷۹ھ) اور اسحاق (و ۱۶۱ھ م ۲۳۸ھ) رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا مذہب ہے۔

اور صحابہؓ کی رائے یہ ہے کہ صحیح قراءت کے ظاہری الفاظ کی بنا پر تہائی حصہ صرف اخیافی بہن بھائیوں کو ملے گا اور علّتی بھائی محروم رہیں گے اور یہی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ (م ۱۵۰ھ) اور ان کے تینوں اصحاب کا اور امام احمد بن حنبل (و ۱۶۴ھ م ۲۴۱ھ) اور داؤد ظاہری رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا مذہب ہے۔

۱۔ مختلف فیہ مسائل میں ایک جانب کو ترجیح دینا جیسے قسم کے کفارے میں جو غلام آزاد کیا جاتا ہے، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے مذہب پر اس کا مومن ہونا شرط ہے۔ اور امام اعظمؒ کے مذہب پر شرط نہیں بلکہ کافر غلام سے بھی کفارہ ادا ہو جاتا ہے۔

پس سورۂ مائدہ ع ۱۲ میں " او تحریر رقبۃ " کے بعد " مؤمنۃ " کی قراءت سے حضرت امام شافعیؒ کے مذہب کو ترجیح ہو جاتی ہے،

حضرت امام اعظم کا جواب یہ ہے کہ مشہور قراءت میں مومنۃ کا لفظ نہیں ہے لہٰذا مطلق کو مقید کرنا مناسب نہیں۔

۲۔ دو مختلف احکام کو جمع کر دینا جیسے سورۂ بقرہ ع ۲۸ میں " حتی یطھُرن " یطھّرن " پس گویا یوں ارشاد ہوا ہے۔ حتی یطھُرن و یتطھّرن

پہلے یطھُرن میں دو احتمال تھے

۱۔ یہ کہ ـــ خون بند ہو جائے۔

۲۔ یہ کہ ـــ غسل کر لیں۔

مگر تشدید کی قراءت نے بتا دیا کہ حیض والی عورتوں سے صحبت کرنا اسوقت جائز ہے جب دونوں شرطیں پائی جائیں یعنی خون بند بھی ہو جائے اور غسل بھی کر لیں۔

۳۔ دو قراءت سے دو جدا جدا احکام کا اظہار مثلاً سورہ مائدہ رکوع ۲ میں " وارجُلکُم " ایک قراءت پر لام کا نصب اور دوسری قراءت پر جر ہے پس نصب کی قراءت یہ چاہتی تھی کہ وضو میں پیروں کا دھونا فرض ہو اور جر والی قراءت کا تقاضا یہ تھا کہ پیروں کا مسح فرض ہو۔

سو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیان سے ظاہر فرما دیا کہ پاؤں کا دھونا تو اس پر فرض ہے جو موزے پہنے ہوئے نہ ہو، اور مسح کی فرضیت اس کے لیے ہے جس نے موزے پہن رکھے ہوں۔

۵۔ خلاف مراد دوسرے معنی کے اس وہم کو دور کر دینا جو ایک قراءت کے ظاہر سے پیدا ہوتا ہے، جیسے سورہ جمعہ رکوع ۲ میں "فاسعوا الی ذکر اللہ" کے بجائے "فامضوا الی ذکر اللہ" پس دوسری قراءت نے یہ بتا دیا کہ پہلی قراءت سے جو یہ وہم ہوتا ہے کہ اذان کے بعد جمعہ کے لیے دوڑ کر چلنا چاہیئے یہاں یہ معنی مراد نہیں بلکہ صرف چلنا کافی ہے گو آہستہ ہو۔

۶۔ اس مشکل لفظ کی تفسیر کر دینا جس میں یہ احتمال ہو کہ سننے والا سمجھ نہیں سکے گا جیسے سورۂ القارعۃ میں "کالعھن المنفوش" کے بجائے "کالصوف المنفوش" پس لفظ صوف نے بتا دیا کہ عِھن اون کے معنی میں ہے۔

۷۔ اہل حق کے لیے حجت اور اہل باطل اور کج روی اختیار کرنے والوں کے ردّ کا سبب بن جانا جیسے سورہ دہر میں ابن کثیر مکیؒ (و ۴۵ھ م ۱۲۰ھ) وغیرہ کی قراءت پر "وملکا کبیرا" میں میم کا فتحہ اور لام کا کسرہ" (مَلِکًا) ہے یہ اس بات کی اعلیٰ ترین دلیل ہے کہ آخرت میں مومنین کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا پس معتزلہ کا انکار بالکل مردود ہے۔

۸۔ بعض علماء کے قول کی ترجیح و تقویت کا باعث بن جانا جیسے سورہ نساء رکوع ۷، ومائدہ رکوع ۲ میں" اولمستم النّساء" کیونکہ "لمس" جماع کے بھی معنی دیتا ہے اور چھونے کے بھی۔ چنانچہ سورۂ انعام رکوع ۱ میں ہے فلمسوہ بایدیھم ای مسّوہ اور حدیث میں ہے" لعلّک قبّلت او لمست۔ اور شاعر کا قول ہے ؎

"ولمستُ کفّی کفّہ طلبَ الغنآء"

۹۔ بعض نحاۃ کے قول کے صحیح ہونے کی دلیل بنا جیسے سورہ نساء رکوع ۱ میں ہے" بہ والارحامِ" کہ میم کے جر کی قراءت سے معلوم ہو گیا کہ کوفیین کا یہ قول صحیح ہے کہ ضمیر مجرور پہ جار کے اعادے کے بغیر عطف کرنا جائز ہے اور جیسے سورۂ جاثیہ رکوع ۲ میں لیُجزیٰ قومًا بما کانوا" کو ابوجعفر کی قراءت

لیُجزیٰ فعل مجہول ہے۔ اور اس کا نائب فاعل سمین کے قول بہ بِمَا ہے اور یہ اخفش اور کوفیین کے مذہب کے صحیح ہونے کی دلیل ہے کہ وہ مفعول بہ کے ہوتے ہوئے غیر مفعول کا نائب فاعل قرار دینا جائز رکھتے ہیں، دوسری تقدیر یہ ہے کہ لیُجزیٰ کا نائب فاعل الجزاءُ مقدر ہو جو مَا یُجزیٰ بِہٖ کے معنی میں ہے نہ کہ معنی مصدری میں، کیونکہ مصدر کا نائب فاعل بنانا ضعیف ہے۔ علی الخصوص جب کہ مفعول بہ بھی موجود ہو۔

سبعۃ احرف کے کتنے معانی ہیں؟

چونکہ یہ حروف صحیح اور شاذ دونوں قسم کی قراءات میں آتے ہیں اور کثیر الدورٌ (بار بار آتے ہیں) ہیں اس لیے ان کے معانی بلحاظ تعداد احاطہ ضبط میں ناممکن ہیں لیکن مآل وانجام کے اعتبار سے حروف کے دو معنی ہیں۔ یعنی دو کلیاں ہیں جن میں تمام جزئیات داخل ہیں۔

۱۔ لفظ میں فرق ہوتا ہے معنی میں نہیں ہوتا۔ جیسے خُطُوَات ، خُطْوَات ، هُزُؤًا ، هُزْوًا ، هُزْءًا ، صِراط ، سراط ، يَحْسَبُ ، يَحْسِب ، عليهِم عَلَيْهُم ، قُدُس ، قُدْس۔

۲۔ لفظ و معنی دونوں میں تغیر ہوتا ہے جیسے ، قُلْ رَبِّ ، قَالَ رَبِّ ، يُنَشِّرُكُمْ يُسَيِّرُكُم ، لَنُبَوِّئَنَّهُم ، لَنُثْوِيَنَّهُمْ ، يَقُصُّ ، يَقْضِ ، يَكْذِبُونَ ، يُكَذِّبُون ، نُنْشِز ، نُنْشِرُ ، ما فُتِنُوا ، مَا فَتَنُوا ، لقد عَلِمْتَ ، عَلِمْتُ۔

۳۔ تیسری قسم یہ بھی ہے کہ لفظ و معنی دونوں متحد رہیں لیکن تلفظ کی کیفیت میں نوع بہ نوع کی تبدیلیاں ہو جائیں جیسے اصولی اختلاف (تغلیظ و ترقیق ، مد

وقصر وغیرہ)۔
محققین فرماتے ہیں کہ اس قسم کے اختلاف سے لفظ و معنی میں کوئی تغیر نہیں آتا۔ ابوعمرو ابن حاجب نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

سبعۃ احرف قرآن میں متفرق ہیں؟

محقق جزری نے چونکہ سات حروف سے لفظی تغیر کی سات قسمیں مراد لی ہیں (دیکھئے "نزول علی سبعۃ احرف ہی کیوں" کے ذیل میں) اس لیے فرماتے ہیں کہ بے شک ہر روایت و قراءت میں قرآن میں سات حروف متفرق ہیں، پس اگر کوئی قرآن کا کچھ حصہ بھی پڑھ لے جس میں وہ ساتوں قسم کے تغیرات آگئے ہوں تو اس پر صادق آئے گا کہ اس نے سات حروف پڑھ لیے لیکن اس کو سات حروف کے پورے مجموعے کا پڑھنے والا نہیں کہیں گے، کیونکہ وہ تو دریائے بے پایاں ہے،
اور علامہ دانی نے چونکہ حروف کی تفسیر لغات سے کی ہے اس لیے وہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں سات لغات کا کل نہیں بلکہ ان میں سے بعض ہیں۔

قراءات مروجہ سات لغات کا کل ہیں یا بعض؟

آیا اس وقت جو قراءات پڑھی جاتی ہیں وہ سات لغات کا کل ہیں یا بعض؟ اس کا جواب اس سے پہلی بحث پر موقوف ہے، فقہاء وغیرہ کہتے ہیں کہ کل ہیں، اور دوسرے گروہ کے قول پر بعض ہیں۔

اور یہ ظاہر ہے کہ موجودہ قراءات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے زمانے کی قراءات کے مقابلے میں اس قدر کم ہیں جیسے دریا کے مقابلے میں ایک گھونٹ اور کثیر کے مقابلے میں قلیل ہوتا ہے۔

مصاحف عثمانی میں یہ سبعۃ احرف ہیں؟

فقہاء، قراء اور متکلمین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ مصاحفِ عثمانی میں ساتوں حروف ہیں۔ کیونکہ قرآن سات حروف پہ نازل ہوا ہے اور امت کے لیے جائز نہیں کہ ان میں سے کوئی چیز ترک کرے۔

اور جمہور علما، وائمہ متقدمین ومتاخرین کہتے ہیں کہ عثمانی مصاحف میں وہ سات حروف جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دور میں باقی رہ گئے تھے جو آپ ہر سال جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ دور فرماتے تھے، ان میں سے ایک حرف بھی ترک نہیں ہوا۔

حافظ ابوشامہ رقمطراز ہیں:۔

"قال اسماعیل القاضی (م ۲۸۲ ھ) رحمہ اللہ احسبہ یعنی ہذہ القراءۃ التی جمعت فی المصحف الکریم، و ذکر عن محمد بن سیرین.... (م ۱۱۰ ھ)، قال انبئت ان القرآن کان یعرض علی النبی صلی اللہ علیہ و سلم کل عام مرۃ فی شہر رمضان فلما کان العام الذی توفی فیہ عرض علیہ مرتین، قال ابن سیرین فیرون اویرجون ان تکون قرأتنا ہذہ احدث القراءات عہداً بالعرضۃ الاخیرۃ۔ وعنہ عن عبیدہ السلمانی قال القراءۃ التی عرضت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی العام الذی قبض فیہ ہی التی یقرؤہا الناس الیوم، قلتُ وہذہ السنۃ التی اشاروا الیہا ہی ماثبت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ

قرأة او اذن فيه على ما صح عنه ان القرآن انزل على سبعة احرف فلاجل ذلك كثر الاختلاف فى القراءة فى زمانه وبعده الى ان كتبت المصاحف باتفاق من الصحابة رضى الله عنهم بالمدينة ونفذت الى الامصار وامروا باتباعها وترك ماعداها فاخذ الناس بها وتركوا من تلك القراءات كل ماخالفها وبقوا مايوافقها۔ (ابراز المعانی ص)

محقق جزری فرماتے ہیں کہ یہی حق اور درست معلوم ہوتا ہے۔

اختلاف کی نوعیت و حقیقت

واضح ہو کہ اس اختلاف کی نوعیت و حقیقت تضاد و تناقض کی نہیں بلکہ اس کا تعلق لہجہ اور طرز ادا، بلاغت و حسن بیان کے اس اختلاف سے ہے جو نزول قرآن کے زمانے میں مستند مانے جاتے تھے، مثلاً مد و قصر، پھر مدود کی لمبائیوں میں فرق، وغیرہ، جنہیں اصولی اختلاف سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس کا ذکر گذر چکا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ لفظ میں تو تبدیلی ہو مگر معنی نہ بدلیں جیسے الغُیُوب قِرطاس، صراط، سراط وغیرہ یہ سب ہی اہل فن کے نزدیک اس لفظ کے مسلمہ لغات ہیں جس کی صحت و فصاحت مانی ہوئی ہے۔

تیسری قسم کی تبدیلی وہ جو لفظ و معنی دونوں میں ہو مگر دونوں کا مصداق و مراد ایک ہی ہو یعنی دونوں ایک ہی ذات پہ صادق آتے ہوں جیسے سورۂ فاتحہ میں مالك اور مَلِك دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں کہ وہ قیامت کے دن کے مالک بھی ہیں اور اس روز کے بادشاہ بھی ہیں، چنانچہ اس دن مجازی سلطنتیں بھی ختم ہو جائیں گی۔

کیف نُنشِزُها اور نُنشِرُها سورۂ بقرہ رکوع ۳۵ میں پہلی قراءت کے

معنی یہ ہیں کہ ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم ان کو کس طرح ایک کو دوسرے پر چڑھاتے ہیں، اور رآ، والی قراءت پر معنی یہ ہوں گے کہ دیکھو ہم ہڈیوں میں جان ڈال کر ان کو کس طرح زندہ کر دیتے ہیں، حق تعالیٰ نے دونوں معنی کو دو قرأت کے ذریعہ بیان فرمادیا۔

ان چند مثالوں سے واضح ہو جائے گا کہ ضدیت اور منافات کسی قراءت میں نہیں اور اگر ہمیں کسی قراءت میں ضدیت کا شبہ ہوتا ہے تو وہ ہماری ہی کم فہمی کا نتیجہ ہے، کلام الٰہی اس سے بالکل بری اور پاک ہے، سیدنا حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لا تختلفوا فی القرآن ولا تنازعوا فیہ فانہ لا یختلف ولا یتساقط الخ یعنی قرآن شریف میں اختلاف اور جھگڑا نہ کرو کیونکہ نہ تو اس میں اختلاف کی گنجائش ہے نہ اس کا کوئی حصہ حذف ہو سکتا ہے۔

غرضیکہ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے کلام کے ایک سے زیادہ پہلو ایسے ہوتے ہیں کہ ہر ایک میں ایک خاص خوبی ہوتی ہے، مثلاً ایک ہی مفہوم کو جملہ خبریہ میں ادا کیا جائے تو ایک خاص حسن کا اظہار ہوتا ہے، اور استفہامیہ میں ادا کیا جائے تو دوسری نزاکت ہوتی ہے۔ ایسے مواقع پر دونوں پہلوؤں کی اجازت دینا ہی قادر الکلام کی خوبی ہوتی ہے۔

مثلاً ذوقؔ کا یہ شعر ؎

قسمت ہی سے لاچار ہوں اے ذوقؔ وگرنہ
ہر فن میں ہوں میں طاق مجھے کیا نہیں آتا

یہ شعر اپنی جگہ اچھا ہے مگر ایک معنی رس اور سخن سنج نے فرمایا کہ اگر ذوق مصرعۂ ثانیہ کو یوں کہتے

کس فن میں نہیں طاق مجھے کیا نہیں آتا

تو بندش چست ہو جاتی اور استفہام زیادہ لطف پیدا کرتا۔

شاعروں کا کلام تو اصلاح پذیر ہو سکتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کے کلام کو اللہ تعالیٰ ہی نے وہ دوسری وجہ بھی بیان کر کے اعتراض کی گنجائش باقی نہ رکھی۔

اسی طرح بعض جگہ اللہ تعالیٰ نے جہنمیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے کہ جو کچھ تم کر رہے ہو قیامت میں تم کو معلوم ہو جائے گا۔ مِمَّا تَعْمَلُوْنَ ـــــ مگر بلاغت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ایسے موقع پر مخاطبت ان کی طرف نہ ہو بلکہ دوستوں سے خطاب کر کے یہ مضمون ادا کیا جائے کہ جو کچھ یہ کر رہے ہیں قیامت میں ان کو معلوم ہو جائے گا۔ چنانچہ ـــ مِمَّا یَعْمَلُوْنَ کی قرارت خود اللہ تعالیٰ ہی نے فرمادی، اس میں عزت مخاطبت سے محرومی ہے، اس سلسلہ میں داغ کا شعر ملاحظہ ہو۔ ؎

دیکھا مجھے تو ہو کے خفا غیر سے کہا
اس بزم میں ہر ایک کو آنا نہ چاہیئے

شاعر نے یہ مضمون ادا کیا ہے کہ اگر مخاطبت ہمیں سے ہوتی تو کم از کم لذتِ کلام اور عزتِ مخاطبت تو نصیب ہوتی، وہ بھی غیر کے حصہ میں گئی اور ہم کو اس قابل بھی نہ سمجھا تھا کہ ہم سے مخاطبت ہی رہے۔

بہر حال اسالیب بیان کے معمولی تغیرات اور اختلاف سے جو ندرت پیدا ہوتی ہے ان سے وہی لوگ لطف اندوز ہوتے ہیں جن کو معانی و بیان میں درک ونظر حاصل ہے۔

غرضیکہ یہ اختلاف تنوع اور تغایر کی قسم سے ہوتا ہے، تضاد اور تناقض کے قبیل سے نہیں ہوتا، یعنی قرارت کے اختلاف سے طرح طرح کے عجیب وغریب معانی پیدا ہوتے ہیں جو ایک دوسرے سے بالکل الگ ہوتے ہیں۔ مگر ان میں ضدیت اور مخالفت نہیں ہوتی۔ کیونکہ کتاب اللہ میں یہ محال ہے۔

چنانچہ ارشادِ باری ہے۔

افلا یتدبرون القرآن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً ۝ (نساء رکوع ۱۱)

پس ناممکن ہے کہ ایک قرادت میں امر اور دوسری میں نہی ہو یا اور کسی طرح کا تعارض ہو۔

"سبعۃ احرف" سے قرأت سبعہ مراد نہیں

اکثر پڑھے لکھے لوگ کہا کرتے ہیں کہ حدیث میں جو سبعۃ احرف ہے اس سے قراءِ سبعہ کی سات قراءات مراد ہیں لیکن یہ ان کا وہم ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قراءِ سبعہ کا وجود بھی نہیں تھا اس لیے کہ امام ابن عامر شامیؒ ۲۱ھ میں امام ابن کثیر مکیؒ ۴۵ھ، امام عاصم کوفیؒ اس کے قریب، امام ابو عمرو بصریؒ ۶۸ھ، امام نافع مدنیؒ ۷۰ھ، امام حمزہ زیات کوفیؒ ۸۰ھ، امام ابوالحسن[۱] کسائی کوفیؒ تقریباً ۱۱۹ھ میں پیدا ہوئے۔

ان میں سے بعض نے صحابہ و تابعین دونوں سے، بعض نے صرف تابعین سے اور بعض نے تبع تابعین سے قراءات پڑھی ہیں، ان میں سے بعض حضرات دوسری صدی میں ہوئے ہیں۔ صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کے زمانہ میں ان قراء کی ترتیب دی ہوئی قراءات موجود نہیں تھیں۔

۱۔ علامہ دانیؒ "جامع البیان" میں "سبعۃ احرف" کے معنی بیان کرنے کے

---

[۱] امام کسائی کوفی مامون کے زمانہ میں تھے اور کل قراءِ سبعہ میں داخل کیے گئے ہیں پہلے امام یعقوب حضرمی بصریؒ کی قراءت ساتویں تھی (اب نویں ہے) ابو بکر ابن مجاہد نے ان کے بجائے کسائیؒ کو لیا ۱۲۔

بعد فرماتے ہیں بلاشبہ قرأ سبعہ اور ان کے مانند دیگر ائمہ کی ان قراءات کی پیروی اور اتباع واجب ہے جو شاذ نہ ہوں۔

۲۔ نہرلی رح کہتے ہیں کہ کسی کے لیے یہ بات جائز نہیں کہ ان قراءات کو شاذ کہہ دے جو اسے نہ پہنچی ہوں کیونکہ جو قراءت پڑھی اور روایت کی جائے اور موافق رسم کے ہو نیز اجماع کے خلاف نہ ہو وہ صحیح ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ صرف قرأۃ سبعہ متواتر ہیں باقی شاذ ہیں یہ محض خطا ہے۔

(الف) آیا صحابہ کرام رض و تابعین عظام رح جن قراءات سے قرآن اور نماز پڑھتے تھے وہ شاذ تھیں؟

(ب) کیا کوئی عقل سلیم اس بات کا یقین کر سکتی کہ دونوں مقدس جماعتیں جن کی نقل پر دین کا مدار ہے قرآن میں کوئی ایسی چیز پڑھیں جو (نعوذ باللہ) منزل من اللہ اور قرآن نہ ہو۔

(ج) کیا یہ ممکن ہے کہ صحابہ کرام رض و تابعین رح کو متواتر اور شاذ کا علم نہ ہو اور دوسری صدی کے لوگ اس کی تحقیق کر لیں؟

(د) کیا قراء سبعہ کی قراءات جن قراءات سے ماخوذ ہیں وہ شاذ تھیں؟

۳۔ محقق جزری فرماتے ہیں۔ بعض بے علم خیال کرتے ہیں کہ قراءت صحیحہ صرف وہی ہیں جو قرأ سبعہ سے منقول ہیں۔ بلکہ بعض جاہل یہ یقین رکھتے ہیں کہ صحیح قراءات وہی ہیں جو "تیسیر" (للدانی رح) و "شاطبیہ" میں ہیں اور حدیث میں انہیں کی طرف اشارہ ہے اور جو ان کتابوں میں نہیں وہ شاذ ہیں۔ حالانکہ بعض وجوہ جو قرأ سبعہ کے علاوہ دوسرے ائمہ سے منقول ہیں وہ تیسیر و شاطبیہ کی بیان کردہ وجوہ سے صحیح تر ہیں۔ ان لوگوں کو یہ شبہ اس لیے ہوگیا کہ انہوں نے پہلے تو انزل علی سبعۃ احرف والی حدیث سنی پھر قرأ سبعہ کی قراءات دیکھیں۔

اسی لیے متقدمین میں سے اکثر ابن مجاہد کے قراء سبعہ ہی کی قراءت کے بیان

پر بس کرنے کو ناپسند سمجھتے تھے اور ان کو غلطی پر بتاتے تھے ۔

۴۔ چنانچہ مہدوی کہتے ہیں کہ بعض متاخرین نے قراء سبعہ کو اختصار کی غرض سے اختیار کیا تھا، عام لوگوں نے اسے لازمی فرض سمجھ لیا ۔ اب اگر اس کے خلاف کچھ سنتے ہیں تو پڑھنے والے کو غلط کار اور کافر تک کہہ دیتے ہیں ۔ حالانکہ بسا اوقات وہ وجہ ظاہر نہ اور مشہور تر ہوتی ہے ۔ پھر کم ہمت لوگوں نے قراء سبعہ میں سے بھی ہر امام کے دو دو راویوں پر بس کر لی اگر انہیں کے کسی اور راوی کی روایت سنتے ہیں تو اس کو باطل کہہ دیتے ہیں خواہ وہ ان راویوں سے مشہور تر ہو ، سبعہ کے بیان پر بس کرنے کی وجہ سے عام لوگ دھوکے میں مبتلا ہو گئے اور معلومات کی کمی نے ان کو غافل کر دیا ، کاش ابن مجاہد سبعہ سے کم یا زیادہ قراءات بیان کرتے تاکہ یہ شبہ نہ ہوتا ۔

نیز فرماتے ہیں کہ " جس قراءت میں ارکانِ ثلٰثہ پائے جائیں ان کا قبول کرنا واجب ہے اور رد و انکار کسی کے لیے جائز نہیں ، خواہ ائمہ سبعہ سے ہو یا کسی اور سے " ۔

۵۔ شیخ الاسلام ابو الفضل عبدالرحمن بن احمد رازیؒ سبعہ احرف کی حدیث سے پیدا ہونے والے شبہ کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں " بعد کے علماء نے اسی وہم کے دور کرنے کے لیے آٹھ ، آٹھ اور دس ، دس قراءات میں کتابیں لکھی ہیں ۔ الخ

۶۔ امام ابو العباس ابن یوسف الموصلی تفسیر " کواشی[1] " تبصرہ میں فرماتے ہیں ۔ جو قراءت ارکانِ ثلٰثہ کے موافق ہو وہ ان حروف سبعہ میں سے ہے جو حدیث میں مذکور ہیں گو ان کو ستر ہزار افراد مجتمع یا متفرق طور پر روایت کریں ، قراءت کے

---

[1] ؛ موفق الدین ابو العباس احمد بن یوسف الموصلی آپ طبقہ سابعہ کے لوگوں میں ہیں آپ کی تفسیر " کواشی " دو ہیں ۔ خورد کو تلخیص اور کلاں کو " تبصرہ " کہتے ہیں ۱۲

قبول کرنے کا یہی ضابطہ ہے اور جب کسی رکن میں فرق آ جائے تو وہ شاذ ہے۔

۷. امام اسماعیل بن ابراہیم بن محمد القراب شافی میں فرماتے ہیں کہ سبعۃ احرف کی حدیث سے یہ وہم نہ ہونا چاہیئے کہ اس میں ان قراء سبعہ کی طرف اشارہ ہے جو تابعین کے بعد پیدا ہوئے کیونکہ بایں صورت حدیث اس وقت تک بےفائدہ ہو جاتی ہے جب تک یہ قراء سبعہ پیدا ہو کر تعلیم نہ پائیں، قراءت اختیار نہ کریں اور ان سے نقل نہ کی جائیں۔ نیز یہ لازم آئے گا کہ صحابہؓ وغیرہ کو اس وقت تک قرآن پڑھنا جائز نہ ہو جب تک وہ یہ نہ معلوم کر لیں کہ یہ قراء فلاں فلاں قراءت اختیار کریں گے، یہ عین جہالت ہے۔

پھر فرماتے ہیں۔

قراءت کے حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ معتبر امام سے لفظاً سیکھی جائیں اور متصل سند کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائی جائیں۔ (اخذ من شرح سبعہ)

اختلاف قراءت سے فوائد

چند علمی فوائد بعنوان " اختلاف حروف سے علمی فوائد " (صفحہ) ذکر کیے گئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بحث کے اخیر میں کچھ فوائد اور بیان کر دیئے جائیں، جیسا کہ ابتداء میں معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وسعت و آسانی پیدا کرنے کے لیے قرآن مجید سبعہ احرف میں نازل فرمایا، اس عظیم فائدے کے علاوہ اور بھی بہت سے فائدے ہیں۔ مثلاً:۔

۱. انتہا درجہ کی بلاغت، کامل درجہ کا اعجاز اور مکمل ترین اختصار، اس لیے کہ جب ہر قراءت ایک آیت کے مرتبہ میں ہے تو ایک کلمہ کی متعدد آیات کے قائم مقام ہوں گی۔ پس اگر ہر قراءت کے بجائے ایک مستقل آیت نازل ہوتی تو

ظاہر ہے کہ عبارت بہت ہی طویل ہو جاتی

۲۔ یہ اختلافِ قراءت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن مجید کی صداقت پہ عظیم الشان اور واضح ترین دلیل ہے اس لیے کہ الگ الگ قراءت میں نوع بہ نوع کے اختلافات کے باوجود ضدیت اور مخالفت نہیں ہے بلکہ ہر ایک قراءت سے دوسری کی تصدیق و تشریح اور تائید و تفسیر ہو جاتی ہے، اور ہر عاقل جانتا ہے کہ یہ صفت اللہ تعالیٰ ہی کے کلام میں ہو سکتی ہے، پس جب قرآن کلام الٰہی ہے تو جس نبی پہ یہ نازل ہوا ہے وہ بھی بلا شک صادق ہے۔

۳۔ انتہائی بلاغت و اختصار کے باعث امت کے لیے قرآن مجید کا یاد کرنا اور اس کا نقل کرنا آسان ہو گیا، کیونکہ ہر قراءت کے لیے مستقل جملوں اور آیتوں کا یاد کرنا اور نقل کرنا دشوار ہے اور ایک ہی کلمہ میں اس کی متعدد قراءات کا یاد کر لینا (علی الخصوص جب کہ اس کا رسم الخط بھی ایک ہی ہو) آسان ہے

۴۔ اسی اختلاف کے سبب امت کے علماء کے اجر و ثواب میں روز افزوں اضافہ ہوتا ہے، اس لیے کہ وہ ہر قراءت کے معنی کی تلاش اور ہر لفظ کی دلالت سے احکام کے استخراج اور مخفی اسرار و اشارات کے اظہار میں سعی بلیغ کرتے ہیں اور بہ نظر غائر کامل توجہ کے ساتھ اپنے علم و فن کے مطابق ہر قراءت کی توجیہہ، تعلیل اور اس کی ترجیح کے اسباب اور اس کے مضمون کی تفصیل بیان کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ وہ محنت و مشقت کے موافق اجر عطا فرمایا کرتے ہیں۔

جیسا کہ ارشاد باری ہے فاستجاب لہم ربہم انی لا اضیع عمل عامل

(آل عمران رکوع ۲۰)

۵۔ اسی سے باقی امتوں کے مقابلے میں اس امت کی فضیلت اور عظمت ظاہر ہوتی ہے اس لیے کہ اسی نے کتاب الٰہی کو پورے شوق ذوق اور کامل فکر و توجہ کے ساتھ پڑھا اور پڑھایا، اس کے ایک ایک لفظ کی بحث کی، ایک ایک صیغہ کی تحقیق کی، اس کی صحت و درستی کو آشکارا کیا، اس کی تصحیح کو درجۂ کمال تک

پہنچایا۔ اس کی تجوید کی حفاظت کی، کسی گمراہ کو اس میں تحریف اور زیادتی و کمی کا موقع نہ دیا، حرکت و سکون، تفخیم و ترقیق حتیٰ کہ مدّات کی مقادیر اور امالوں کے تفاوت کو بھی ضبط کیا۔ غرض اس قدر اہتمام کیا کہ کسی اور امّت کا فکر و وہم بھی اس حد تک نہ پہنچ سکا اور توفیق و الہام الٰہی کے بغیر اس درجہ تک رسائی ناممکن ہے۔

۶۔ ہر قاری اپنی اختیار کردہ وجوہ، متصل سند کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتا ہے جس سے اہل باطل کے شبہات کا قلع قمع ہو جاتا ہے یہ صرف اسی امّت اور اسی کتاب عزیز کی خصوصیت ہے، اور یہ ایسی عظیم الشان فضیلت اور اعلیٰ ترین فائدہ ہے کہ اگر اس کے سوا اختلاف قراءت کا اور کوئی فائدہ نہ بھی ہوتا تو یہی کافی و وافی تھا۔

۷۔ اللہ تعالیٰ ہر زمانہ میں ایسے ائمہ کو موجود رکھتا ہے جو فن میں حجّت کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور ان کا وجود صرف خدمتِ قراءت کے لیے وقف ہوتا ہے وہ طرق و روایات اور وجوہ کی تحقیق کرتے رہتے ہیں۔ ان کی بقاء سے قرآن مجید لوگوں کے سینوں اور مصاحف میں صحت و درستی کے ساتھ باقی رہتا ہے، اس سے قدرتِ الٰہی کا کرشمہ ظاہر ہوتا ہے کہ اپنی کتابِ عظیم کی کس کس طرح حفاظت فرماتے ہیں۔

فسبحان من اصطفٰھم و وفقھم لحفظ کتابہ الجلیل و اعطاھم بذلك الاجر الجزیل۔ (نشر)

"قرأت سبعہ" تیسیر و شاطبیہ وغیرہ میں منحصر ہیں

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ قرّاء سبعہ سے صرف اتنی ہی وجوہ منقول ہیں جو تیسیر (للدانی رحمہ اللہ) و شاطبیہ (للامام الشاطبی رحمہ اللہ) وغیرہ میں درج ہیں۔ نیز یہ کہ تیسیر

اور شاطبیہ کی بیان کردہ تمام وجوہ متواتر ہیں اور جو وجوہ باقی کتابوں میں ہیں وہ غیر متواتر اور شاذ ہیں۔ یہ خیال صحیح نہیں اور یہ ناواقفوں کی اصطلاح ہے۔

شیخ النحاۃ والمحدثین ابو حیان اندلسی (م ۶۵۴ھ م ۷۴۵ھ) فرماتے ہیں:۔

ان ائمہ کے زمانہ میں قرات کے ناقلین اور اختیار کرنے والے بیشمار تھے اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی تھی کہ علم کم ہو جائے، پڑھانیوالوں نے جب لوگوں کا کسل اور ان کی ہمتوں میں قصور و فتور دیکھا تو پہلے سبعہ پہ پھر ان میں سے بھی قلیل حصہ پہ اکتفا کیا۔

خلاصہ یہ کہ صحابہ کرام رض جن جن وجوہ سے قرآن مجید پڑھتے تھے وہ سب صحیح اور منزل من اللہ تھیں۔ یعنی جس صحابی کو جو حرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھایا تھا وہ اس کے لیے بلاشک حجت تھا۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام رض نے خود قرات پڑھی تھیں اس لیے نہ ان کو کسی کی تائید و تصدیق کی ضرورت تھی نہ کسی گواہ و دلیل کی حاجت، اور ان کے لیے نہ کوئی قرات شاذ تھی نہ ضعیف۔

پھر صحابہ رض نے مصاحف عثمانی پہ اجماع کر لیا تو امت کے لیے ان کی پیروی ضروری ہوگئی، پھر صحابہ کرام رض سے تابعین رح نے قرآن پڑھا اور مصاحف عثمانی کے مطابق تبع تابعین کو پڑھایا۔ ان دونوں متبرک اور مقدس جماعتوں میں سے بہت سے حضرات نے متعدد شیوخ سے پڑھا اور مشہور وجوہ کو منتخب کر کے اپنے لیے جدا جدا قراءات اختیار کر لیں اور رسم کی اتباع کرتے ہوئے اپنی اختیار کردہ قراءات کو آحاد و غیر مشہور سے بچایا اور جو وجہ حرف و نحو اور عربیت کے لحاظ سے قوی تر تھی اس کو اختیار کیا۔

چونکہ ان حضرات نے براہ راست جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قراءات نہیں سنی تھیں اس لیے ان کے حق میں کچھ قراءات شاذ اور ضعیف بھی ہوگئی تھیں۔

پہلے تینوں زمانوں میں بے شمار قراءات پڑھائی جاتی تھیں پھر جب تیسری صدی میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہوا تو ہر مصنف اپنی کتاب میں وہ

قراءات بیان کرتا تھا جو اس کو متصل اور صحیح سند سے پہنچی تھیں۔
چنانچہ ابو عبید قاسم ابن سلامؒ صاحب "کتاب القراءات" (تیسری صدی کی تصنیف ہے مصنف کا سن وفات معلوم نہ ہو سکا) اور قاضی اسماعیل صاحب "کتاب القراءات" (و ۱۷۹ھ م ۲۸۲) نے پچیس پچیس ۲۵ ۲۵ قراءات بیان کی ہیں۔
پھر ازمنۂ ثلاثہ جو بلاشبہ خیر القرون تھا کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم "خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم، ثم الذین یلونھم" ان کے بعد سلسلہ سند طویل ہو گیا اور اکثر لوگوں میں سستی پیدا ہو گئی اور بعض کے ضبط و حفظ اور شوق و ہمت میں ضعف آ گیا۔ تو علماء نے پہلی تعداد میں کمی کر دی۔
چنانچہ ابو بکر ابن مُجَاہد صاحب "کتاب السبعہ" (چوتھی صدی ہجری کی عظیم ترین شخصیت) نے جو قراءت کے معلّم اور اپنے وقت کے سب سے بڑے امام تھے سب سے پہلے "کتاب السبعہ" لکھی جس میں اس وقت کی مروجہ قراءات میں سے صرف قراء سبعہ کی قراءات بیان کیں۔ اس بناء پر کہ بلنسبت دوسروں کے انکی قراءات صحیح اور مشہور وجوہ زیادہ تھیں جو عربیت میں بھی زیادہ قوی اور رسم سے بھی بہت زیادہ موافق تھیں اور اسی کتاب کے موافق روایات و قراءات پڑھانی شروع کر دیں۔
اور یہ بات من جانب اللہ تھی کہ ابن مجاہدؒ کو انہیں کے منتخب کرنے کا خیال آیا، حالانکہ ابو محمد مکیؒ (۴۳۷ھ) کے قول کے موافق اس وقت ستر ائمہ کی قراءت اور بھی موجود تھیں جو بلحاظ زمانہ قراء سبعہ سے مقدم تھے اور سبعہ کے بعد والی تین قراءت تو ہر لحاظ سے ان کے برابر تھیں۔ لیکن امام ابن مجاہدؒ کا یہ اعتقاد ہرگز نہ تھا کہ ان کے علاوہ دیگر قراءات شاذ یا غیر صحیح ہیں، اور اس وقت کے اکثر اور بڑے بڑے ائمہ نے اس عمل کو ناپسند کیا (دیکھیے صہ بہ عنوان "سبعۃ احرف سے قراءت سبعہ مراد نہیں") اور سات کی تعداد پہ تو بطور خاص اعتراض تھا۔ مگر چونکہ امام ابن مجاہدؒ بہت مشہور تھے اور اس فن میں اپنی نظیر آپ ہی تھے، اس لیے ان کی کتاب "کتاب السبعہ" خوب مشہور ہو گئی اور باقی قراءات کی تعلیم میں کمی آنے لگی —————— پھر ابو عبد اللہ قیروانیؒ صاحب "الہادی"

فی السبعۃ" (م ۴۱۵)، ابوالقاسم طرسوسیؒ صاحب" المجتبی فی السبعۃ" (م۴۲۰ھ)، اور ابوالعباس مہدویؒ صاحب" ہدایہ فی السبعۃ" م۴۳۰ھ کے بعد نے مشرق میں سبعہ کو اور مشہور کر دیا ——— چوتھی صدی کے آخر تک اندلس اور مغربی شہروں میں قراءت سبعہ کا رواج نہ تھا سب سے پہلے ابو عمر طلمنکیؒ صاحب کتاب" الروضۃ فی العشرہ" (م ۴۲۹ھ) نے پھر ابومحمد کی قیروانیؒ اور علامہ حافظ ابوعمر دانیؒ نے مصر وغیرہ سے پڑھ کر سبعہ قراءت اندلس میں پہنچائیں ——— ——— پانچویں صدی کے شروع تک قراءتِ سبعہ اکثر مشہور طرق و روایات کے ساتھ پڑھی اور پڑھائی جاتی تھیں۔ چنانچہ علامہ دانیؒ نے" جامع البیان" میں پانچ سو روایات وطرق بیان کیے ہیں۔

پھر ہمتیں گھٹ گئیں اور طلباء مزید اختصار کی درخواست کرنے لگے اس پر علامہ دانیؒ نے" تیسیر" لکھی اور اس میں ہر امام سے فقط دو دو روایتیں بیان کیں تاکہ طلباء بآسانی یاد کر سکیں ——— چھٹی صدی میں پھر علامہ ابوالقاسم الشاطبیؒ نے" تیسیر" کے مضمون کو مع اضافہ جات کے نہایت خوبی کے ساتھ نظم کر کے اس کی روایات وطرق کو چار چاند لگا دیئے اور تمام عالم میں مشہور کر دیا۔

فن قراءت میں علامہ دانیؒ اور علامہ شاطبیؒ کا مرتبہ ایسا ہے جیسا حدیث میں امام بخاریؒ صاحب الجامع الصحیح المسند من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ و ایامہ۔ ابوعبداللہ محمد ابن اسماعیل بخاریؒ (جمعہ صدق) م انور) اور امام مسلمؒ صاحب الجامع الصحیح معروف بہ" مسلم" مسلم ابن الحجاج القشیریؒ (۲۰۶ھ م یکشنبہ ۲۵ رجب ۲۶۱ھ کا ہے۔

(۱۹۴ھ، ۲۵۶ھ)

جن قراءات کا رواج کم ہوتا گیا وہ ختم ہوتی گئیں۔ اسی طرح سبعہ کے بعد تین قراءات بھی غائب ہو جاتیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ابن[۱] مہران، ابن[۲] غلبون، ابن[۳] شیطا، اہوازی[۴] قلانسی[۵] ابوالعلاء[۶] اور محقق ابن جزری رحمہم اللہ وغیرہ ائمہ کو توفیق عطا فرمائی اور یہ پڑھنے پڑھانے

اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے، ساتھ ہی ساتھ اہل مصر بھی خدمت کرتے رہے اس لیے محفوظ رہ گئیں اور قراء سبعہ کی باقی روایات "تیسیر" کے بعد ختم ہو گئیں۔ اور سبعہ کی یہ روایات اور ان سے پہلے ائمہ کی قراءات اس لیے نہیں غائب ہوئیں کہ وہ شاذ تھیں بلکہ اصل سبب یہ ہے کہ علماء فوت ہو گئے اور علم ان کے ساتھ چلا گیا۔ آئندہ ان کا کوئی جانشین نہیں بنا۔ اب امت کے پاس صرف دس متواتر قراءات اور ان کی دو دو روایات باقی ہیں، ان کے علاوہ چار قراءات اور ہیں جو صرف کتابوں میں درج ہیں پڑھی پڑھائی نہیں جاتیں۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ کوئی قراءت از اول تا آخر شاذ نہیں ہوتی بلکہ ہر ایک قراءت کی وہی وجوہ شاذ ہوتی ہیں جو ضابطۂ قراءت کے خلاف ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ان کی حفاظت کریں۔ آمین۔

(حاشیہ صـ ۶۱) [۱] صاحب "الغایہ فی العشرہ" و "شامل" ابوبکر احمد بن حسین ابن مہران رحمہ اللہ آپ نے ابن بویان رحمہ اللہ ابوبکر بن مقسم رحمہ اللہ بکار وغیرہ ائمہ سے قراءات پڑھیں شوال ۳۸۱ھ میں وفات پائی۔ [۲] صاحب "ارشاد فی العشرۃ" و "معدل" ابوالطیب عبدالمنعم بن عبیداللہ بن غلبون رحمہ اللہ بن مبارک حلبی ثم المصری آپ معلم قراءات ہیں ابو سہل وراق وغیرہ کے شاگرد ہیں ۳۸۹ھ جمادی الاول میں وفات پائی۔

[۳] صاحب "تذکار فی العشر" ابوالفتح عبدالواحد حسین ابن شیطا رحمہ اللہ بغدادی صفر ۴۴۵ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ [۴] صاحب "الوجیز فی الثمان" [۲] "مفردات السبعہ" [۳] "الایضاح" [۴] "الانضاح" [۵] "الموجز" "النیر الجلی فی قراءات زید بن علی" "جامع المشہور" [۶] "قراءات حسن" [۹] "قراءات ابن محیصن" [۱۰] "الاقناع فی الشواذ"۔ ابوالحسن علی ابن علی بن ابراہیم بن یزداد بن ہرمزا ہوازی نزیل دمشق، ذی الحجہ ۴۴۶ھ میں دمشق میں وفات پائی۔

[۵] صاحب "ارشاد المبتدی" و "کفایہ کبری" ابوالعز محمد بن حسین بن بندار قلانسی واسطی شوال ۵۲۱ھ کو واسط میں وفات پائی۔ [۶] صاحب "غایۃ الاختصار فی العشرۃ" و مفردہ یعقوب "شیخ القراء والمحدثین حافظ مشرق ابوالعلاء حسن بن احمد ہمدانی رحمہ اللہ ۱۹ جمادی الاول ۵۶۹ھ کو ہمدان میں وفات پائی (رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ)

ائمہ سبعہ کی طرف انتساب قرأت کیوجہ

ائمہ سبعہ کے مبارک تذکرے اور ان کے مقدس حالات کے بیان سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان ائمہ کی طرف قراءت کے انتساب کا سبب بیان کر دیا جائے۔

یہاں چند سوال پیدا ہوتے ہیں:۔

۱۔ یہ کہ جب قراءت کی تمام وجوہ کا سرچشمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے اور جملہ قراءات منزل من اللہ ہیں تو پھر قراءات کی نسبت آپ ہی کی طرف کیوں نہ کی گئی؟ اور مثلاً نافع مدنیؒ اور ابن کثیر مکیؒ کی قراءت کیوں کہتے ہیں۔

۲۔ یہ کہ اس نسبت کو ایک معین جماعت کے ساتھ خاص کر دینے کی کیا وجہ ہے جب کہ خود ان کے زمانہ میں اور ان سے پہلے اور ان کے بعد اور حضرات بھی فن کے جاننے والے تھے۔

۳۔ یہ کہ قریب زمانہ والوں کو چھوڑ کر ان کی طرف نسبت کرنے کی کیا وجہ ہے جن کا زمانہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ وجوہِ قراءت عرب کی اقسام اور ان کے لغات کے موافق نازل ہوئی ہیں اس لیے ہر وجہ کی نسبت اس کی طرف کی گئی ہے جس نے اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔ تاکہ ان تمام وجوہ کو ناقلین سے معلوم کر کے پوری طرح یاد اور محفوظ کر سکیں۔ نیز ہم ایک متواتر طریق کے محتاج ہیں جس سے اس وجہ کی قرآنیت کا علم و یقین حاصل ہو جائے، جو ہم تک پہنچی ہے اسی لیے ناقلین نے ہر وجہ کی نسبت اس شخص کی طرف کی جو اپنے زمانے میں اس کو پڑھتا تھا۔ پس صحابہ کے زمانہ میں عثمانؓ، علیؓ، زیدؓ، ابن مسعودؓ، ابی وغیرہ رضی اللہ عنہم کی قراءت کہتے تھے، اور تابعین کے زمانہ میں ابو جعفر، مجاہد سلمی وغیرہ رحمہم اللہ کی قراءت

کہلاتی تھیں۔

امام ابوعبیداللہ ابن سلام رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "کتاب القراءات" کے آغاز میں ان صحابہ کرامؓ و تابعین عظام اور ان کے بعد کبار ائمہ مسلمین کے اسماء کا ذکر کیا ہے جنہوں نے وجوہ قراءات کو نقل کیا ہے۔ وھو ھذا :-

صحابہ کرام جو مہاجرین میں سے تھے :۔

خلفاء اربعہ[1]رض، حضرت طلحہؓ، (م ۳۰ یا ۳۶ھ) سعدؓ مدفون ۵۵ھ، ابن مسعودؓ (م ۳۲ھ) عمر ۶۰ سال سے زائد، حذیفہؓ (م ۳۵ یا ۳۶ھ) سالمؓ مولیٰ ابو حذیفہ) ابوہریرہؓ[2] (م ۵۷ یا ۵۸ یا ۵۹ھ) عمر ۷۸ سال، ابن عمرؓ (م ۷۳ھ) عمر ۸۴ سال، ابن عباسؓ (م ۶۸ھ عمر ۷۱ سال، عمرو بن العاصؓ (م ۴۳ھ) عمر ۹۰ سال، عبداللہ ابن عمرو ابن العاص، ابو موسیٰ اشعریؓ (م ۵۲ھ) عبادہ ابن الصامتؓ عمر ۷۲ سال، ابو ربیعہؓ، ابو خزیمہؓ، معاویہؓ (م ۶۰ھ) ابن الزبیرؓ (م ۷۳ھ) عبداللہ ابن السائبؓ (م قبل قتل ابن

---

[1] سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ (م جمادی الاخریٰ ۱۳ھ) و سیدنا عمر ابن الخطابؓ مغیرہ ابن شعبہ کے غلام ابولولؤ نے آپ کو نیزہ مارا جس کے نتیجہ میں ذی الحجہ ۲۳ھ میں آپ شہید ہو گئے۔ سیدنا عثمان بن عفانؓ آپ کو یکم محرم ۲۴ھ کو خلیفہ بنایا گیا۔ آپ کو ایک مصری شخص اسود تجیبی نے جمعہ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ میں قتل کر دیا جس کے نتیجے میں آپ شہید ہوئے آپ کی عمر اس وقت ۸۲ یا ۸۸ سال تھی۔ آپ کی خلافت کا زمانہ ۱۲ سال اور کچھ دن ہے۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم شہادتِ عثمانؓ کے بعد آپ کو خلیفہ بنایا گیا۔ آپ کی خلافت کا زمانہ ۴ سال ۹ ماہ اور چند یوم ہے ۱۸، رمضان صبح جمعہ ۴۰ھ کو عبدالرحمن ابن ملجم المرادی نے کوفہ میں آپ کو زخمی کر دیا اس ضرب کے نتیجہ میں ۳ دن بعد آپ انتقال فرما گئے۔

[2] آپ کی وفات کے بارے میں اختلاف ہے چنانچہ ۶۳، ۷۳، ۶۷، ۶۵، ۵۵ھ کے اقوال آتے ہیں۔

الزبیرؓ ، عائشہؓ رم ۵۷ یا ۵۸ھ حفصہؓ رم ۴۵ھ ۶۰ سال عمر اور امّ سلمہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین (م ۵۹ھ عمر ۸۴ سال)

انصار میں :۔

حضرت اُبی بن کعبؓ رم ۱۹ھ) معاذ ابن جبل رم ۱۸ھ عمر ۳۸ سال ابوالدرداءؓ رم ۳۲ یا ۳۱ یا ۳۴ھ) زید ابن ثابتؓ (م ۴۵ھ) عمر ۵۷ سال) ، ابوزیدؓ مجمع ابن حارثہ رم معاویہؓ کے آخری ایام ہیں ، انس ابن مالکؓ رم ۹۱ھ وغیرہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ۔

تابعین بالمدینہ میں سے :۔

حضرت ابن المسیبؒ رم ۹۳ھ) عروہؒ ادر ۲۲ھ (د ۹۳ھ) سالمؒ رم ۱۰۶ھ) عمر بن عبدالعزیزؒ رم ۱۰۱ھ عمر ۴۰ سال) سلیمانؒ (د ۱۴۰ھ م ۲۲۴ھ) عطاء بن یسارؒ دم ۹۷ یا ۱۰۳ھ) معاذ بن الحارثؒ عبدالرحمن بن ہرمز الاعرجؒ رم ۱۱۰ھ) ابن شہابؒ ر ۱۲۴ھ) مسلم بن جندبؒ ، زید ابن اسلم رم ۱۳۶ھ) رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم ۔

مکہ سے :۔

حضرت عبید ابن عمیرؒ (دفی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، قبل ابن عمرؓ) عطاء ابن ابی رباحؒ رم ۱۱۵ھ) طاؤسؒ دم ۱۰۵ھ ، مجاہد ابن جبیرؒ رم ۱۰۰ھ) عکرمہؒ دم ۱۰۷ھ) ، ابن ابی ملیکہؒ دم ۱۱۷ھ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم ۔

کوفہ سے :۔

حضرت علقمہؒ بن قیس النخعی رم ۶۲ھ) اسودؒ ابن یزید بن قیس النخعی (م ۷۴ھ) مسروقؒ بن الاجداعؒ رم ۶۲ھ) عبیدہؒ (م ۷۲ھ) عمرو ابن شرجیلؒ حارث ابن قیسؒ ، ربیع بن خثیمؒ دم قبل ۹۰ھ) ، عمرو بن میمونؒ (م ۷۴ھ) ، ابوعبدالرحمن السلمیؒ (م ۷۴ھ) زر بن حبیش اسدیؒ (م ۸۶ھ) اسلام میں ان کی حیات ۶۰ سال ہے ، جلیدہ ابن فضلہ ابوزرعہؒ بن عمرو بن جریرؒ ، سعید ابن جبیرؒ (قتل ۹۵ھ) ، نخعیؒ دم ۹۶ھ) شعبی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین (م ۱۰۴ھ)

بصرہ سے :۔

حضرت عامر ابن عبد ابن قیس رحؒ، ابو العالیہ رم ۹۰ھ یا ۹۶ھ ، ابو رجاء رحؒ رم ۱۰۵ یا ۱۰۷ھ ، نصر بن عاصم رحؒ رم قبل از ۹۰ھ ، یحییٰ ابن یعمر ، جابر بن زید ، حسن بصری رم ۱۱۰ھ ، ابن سیرین رحؒ رم ۱۱۰ھ ، قتادہ رم ۱۰۷ ، رحمہم اللہ تعالیٰ ۔

شام سے :۔

مغیرہ ابن شہاب المخزومی صاحب عثمان رضی اللہ عنہ رم ۹۱ھ ، بحوالۂ ابرار

پھر تابعین کے بعد علماء متعدد حصوں میں تقسیم ہو گئے ۔ مثلاً :۔

۱۔ وہ جو قرآن کے مطالب حل کرنے اور قرآن و حدیث سے مسائل کے استخراج واستنباط کی طرف متوجہ ہو گئے ۔

۲۔ وہ جو مخلوق سے الگ تھلگ ہو کر خالص حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گئے ۔

۳۔ وہ جو خود کو قرآن پڑھانے اور اس کا طریقۂ ادا سکھانے کے لیے مخصوص و فارغ کر دیا ۔

۴۔ وہ جو ان کے علاوہ دیگر علوم میں مشغول ہو گئے ۔

پس جس نے علم کے لیے خود کو فارغ کر لیا وہ اسی میں مشہور ہو گیا اور اس علم کی نسبت اسی کی طرف ہونے لگی اور لوگ ان کی اقتدا کرنے لگے ۔

امام ابو عبید القاسم رحؒ فرماتے ہیں :۔

ثم تجرد قوم للقراءۃ فاشتدت بہا عنایتہم وکثر لہا طلبہم حتی صاروا بذلک ائمۃ یاخذہا الناس عنہم ویقتدون بہم فیہا وہم خمسۃ عشر رجلاً من ہذہ الامصار الخمسۃ فی کل مصر ثلاثۃ رجال فکان بالمدینۃ ابوجعفر یزید بن القعقاع ثم شیبۃ بن نصاح ، ثم نافع ابن ابی نعیم والیہ صارت قراءۃ اہل المدینۃ وکان بمکۃ عبد اللہ بن کثیر وحمید بن قیس الاعرج ومحمد بن محیص واقدمہم ابن کثیر والیہ صارت قراءۃ اہل المدینۃ ، وکان بالکوفہ یحی بن وثاب وعاصم

بن بعد لہ، وسلیمان الاعمش ثم تلا ھم حمزہ رابعًا، ثم الکسائی وکان بالبصرۃ عبد اللہ بن ابی اسحٰق وعیسٰی بن عمر وابو عمرو بن العلاء و الیہ صار اھل البصرۃ فی القراءۃ واتخذوہ امامًا۔ وکان لہم رابعا وھو عاصم الجحدری۔ وکان بالشام عبد اللہ، ویحیی بن الحارث الذماری خلید بن سعد صاحب ابی الدرداء۔ او عطیۃ بن قیس الکلابی او اسماعیل بن عبید اللہ بن ابی المھاجر)

اور اصل یہ ہے کہ اسلاف کرام کو قربِ الٰہی کی دولت بدرجۂ کمال حاصل تھی، جس کی برکت سے ان کی ہمتیں عالی اور حوصلے نہایت بلند تھے، وہ قرآن وحدیث کے لفظی ومعنوی تمام علوم کے جامع تھے، وہ قاری بھی تھے اور مفسر بھی، فقیہ بھی تھے اور غازی بھی، مجاہد بھی تھے اور زاہد بھی، متقی بھی تھے اور عابد بھی —— پھر بعد کے لوگوں میں چونکہ قرب کے درجہ میں کمی آگئی اس لیے ان کے حوصلے بھی اس قدر فراخ نہ رہے —— ان حضرات نے اپنی اپنی استعداد اور فہم کے مطابق ایک ایک علم کو اختیار کیا اور اس میں ماہر بن گئے کوئی قراءت کی طرف مائل ہوا، کوئی تفسیر کی طرف، کسی نے حدیث میں کمال حاصل کیا، کسی نے فقہ میں، کوئی صرفی بن گیا کوئی نحوی بن گیا اور بعض خلوت نشین درویش بن گئے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جب ان ائمہ سبعہ کا دور آیا تو چونکہ انہوں نے خود کو اسی فن کے لیے فارغ کر لیا تھا اور عوام وخواص سب ان پر اعتماد کرتے تھے اس لیے اب قراءت کی نسبت ان حضرات کی طرف ہونے لگی۔

نیز اس وقت حالت یہ تھی کہ صدر اوّل جو عروج علمی کا زمانہ تھا وہ دور ہو چکا

لہ امام نافع مدنی رح، امام ابن کثیر مکی رح، ابو عمرو بصری رح، امام ابن عامر شامی رح، امام عاصم کوفی رح، امام حمزہ زیات کوفی رح، امام کسائی نحوی کوفی رح۔

تھا۔ اس فن کی طرف توجہ میں کمی اور ہمتوں میں ضعف آگیا تھا۔ اور یہ احساس شدید ہو رہا تھا کہ ان حضرات کے بعد اس فن کے اتنے بڑے عالم پیدا نہ ہو سکیں گے۔ اس لیے اس وقت کے بڑے بڑے علماء نے فن قرأت کی امامت کا منصب ان ہی حضرات کے سپرد کیا اور انہیں امام مان کر خود ان کے مقلد بن گئے ———

نیز ان حضرات ائمہ سبعہ کے ذریعہ علم قراءت نے رواج و شہرت پائی۔ (از "جعبری"[1]) علامہ شاطبیؒ (صاحب قصیدہ شاطبیہ) نے قرّاء کے لیے "بُدُور" اور رواۃ کے لیے "شُہُب" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

فمنهم بدور سبعة قد توسطت　　سماء العلیٰ والعدل زهرا و كملاً

لها شهب عنها استنارت فنورت[2]　　سواد الدجی حتی تفرق و انجلا

ترجمہ:۔ ناقلین قرآن میں سے قرّاء سبعہ بھی جو ظاہر اور مشہور ہونے میں اس چاند کی طرح ہیں جو آسمان کے درمیان میں ہوتا ہے کیونکہ اس وقت چاند کی روشنی ہر طرف برابر پہنچتی ہے اس لیے خوب ظاہر ہو جاتا ہے، نیز اس کا نفع بھی نہایت کامل ہوتا ہے، اسی طرح یہ ائمہ بھی پوری طرح مشہور ہیں، رفیع الشان اور کاملین فی العلم ہیں، ان کو بجائے شموس کے بدور اس لیے فرمایا کہ جس طرح چاند کی روشنی سورج کے فیض سے ہے اسی طرح ان حضرات نے بھی اپنے علوم کو تابعین اور صحابہؓ کے واسطے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے حاصل کیا ہے اور آپ شمس الانبیاء ہیں۔

[2] یعنی ان ائمہ سبعہ کے لیے کچھ رواۃ اور شاگرد ہیں جو ستاروں کے مشابہ ہیں اور انھوں نے ان ائمہ سے علوم قرآنی حاصل کر کے عالم میں پھیلا دیا جن سے کفر و جہالت کی تاریکیاں مٹ گئیں اور عالم میں انوارِ قرآنی پھیل گئے۔

اب اس کے بعد قراءات سبعہ متواترہ جن قدسی نفوس قرّاء اور رواۃ سے بالتواتر منقول اور ثابت ہے ان کے مقدس تذکرے اور پاکیزہ حالات انتہائی قدر دانی اور منت شناسی کے ساتھ بالترتیب زیب قرطاس کیے جاتے ہیں۔

جزى الله بالخيرات عنّا أئمة ✣ لنا نقلوا القرآن عذباً و سلسلا

بدرِ اوّل

امام نافع رح مدنی

آپ کا نام نافع ابن عبد الرحمٰن بن ابو نعیم مدنی ہے، کنیت ابو رویم اور لقب امام دار الہجرت ہے۔ آپ جعونہ ابن شعوب اللیثی کے آزاد کردہ غلام تھے، اصلاً اصفہانی تھے، رنگ سیاہ تھا، وجوہ قراءت اور عربیت کے عالم تھے۔ حدیث پر مضبوطی کے ساتھ عامل تھے، مدینہ منورہ میں فن قراءت و رسم الخط دونوں میں آپ امام الکل تھے۔

تابعین کے بعد فن قراءت میں آپ ہی پہ اجماع تھا۔ آپ طبقہ ثانیہ میں سے ہیں، صحابہ رض میں سے حضرت طفیل رض اور حضرت ابن ابی انیس رض کی زیارت کی ہے۔

آپ حضرت امام مالک رح (و ۹۳ھ م ۱۷۹ھ) کے بھی علم قراءت میں استاد ہیں ستر سال تک آپ نے لوگوں کو قرآن پاک کی تعلیم دی۔

حضرت امام مالک رح فرماتے ہیں کہ "قراءت نافع سنۃ" نافع کی قراءت سنت اور پسندیدہ ہے اور صالح عبد اللہ ابن احمد بن حنبل رح (و ۱۶۴ھ م ۲۴۱ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک کون سی قراءت پسندیدہ اور خوشنما ہے تو انہوں نے فرمایا "قراءۃ نافع"۔

امام نافع رح جس وقت پڑھتے یا پڑھاتے تھے اور کلام کرتے تو منہ سے مشک کی خوشبو آتی تھی، کسی نے دریافت کیا کہ کیا آپ ہمیشہ خوشبو استعمال کرتے ہیں؟ تو فرمایا نہ میں خوشبو لگاتا ہوں اور نہ اس کے قریب ہی جاتا ہوں بلکہ بات یہ ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ میرے منہ میں دم کر رہے ہیں [illegible] ملائکہ قرآن شریف پڑھ رہے ہیں اسی وقت سے میرے منہ سے خوشبو آ رہی ہے۔

چنانچہ علامہ شاطبیؒ آپ کی شان میں فرماتے ہیں :-

فذالک الذی اختار المدینۃ منزلا　　　　فاما الکریم السرّ فی الطیب نافع

یعنی بہر حال شریف رازوالے (یا پاک باطن والے) خوشبو کے بارے میں جو کہ نافع ہیں، یہ وہ خوش نصیب بزرگ ہیں جنہوں نے مدینہ کو ٹھکانا اور وطن بنایا۔ پس "الکریم السرّ فی الطیب" سے یہی واقعہ خواب مراد ہے - اور آپ "الکریم السّر فی الطیب" بھی کہے جانے لگے۔

اللہ اللہ، قرآن مجید کی مخلصانہ خدمت پر دنیا میں بھی کیسے کیسے اعزاز نصیب ہوتے ہیں جن کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت بھی گرد ہے، آخرت کی سلطنت کا تو کیا ہی کہنا ہے آخرت کے اعزازات حاملین قرآن کے لیے جو کچھ احادیث میں بیان ہوئے ہیں وہ درج ذیل روایات سے ظاہر ہوتے ہیں :-

من قرأ القرآن وعمل بما فیہ البس والداہ تاجا یوم القیامۃ ضوءہ احسن من ضوء الشمس فی بیوت الدنیا لو کانت فیکم فما ظنکم بالذی عمل بھذا (رواہ احمد وابو داؤد عن معاذ الجہنی رض)

نیز مسند بیہقی کی روایت ہے :-

یکلی والداہ حلۃ لا تقوم لہا الدنیا وما فیہا (بیہقی عن ابی ہریرہ رض)

نیز ان للہ اہلین، قیل من ہو یا رسول اللہ قال اہل القرآن و خاصتہ (ابن ماجہ عن انس رض)

علامہ شاطبیؒ نے اس سلسلے کی مختلف احادیث کو نہایت ایجاز کے ساتھ تین شعروں میں بیان فرما دیا ہے وھو ھذا

ھنیئاً مریّاً والداک علیہما　　　　ملابس انوار من التاج والحلا

فما ظنکم بالنجل عند جزائہ　　　　اولئک اھل اللہ والصفوۃ الملاء

اولو البر والاحسان والصبر والتقیٰ　　　　حلاھم بہا جاء القرآن مفصلا

یعنی یہ اے (قاری) تو خوش ہو کر زندگی گذار دیکھو تم، تیرے والدین پر انوار کے لباس یعنی تاج

اور زیور ہوں گے۔ جب قاری کے والدین کا یہ اعزاز ہوگا، تو تمہارا کیا گمان ہے خود اس بیٹے پر اس کے جزا دیئے جانے کے وقت (کیا کیا انعام ہوں گے، جو چاہو گمان کر لو، مختصر یہ کہ) یہ قراء اللہ کے اہل (اور مقرب) اور ایسی جماعت ہیں جو خالص اشراف ہیں (یہ حضرات) صاحب بر اور احسان اور صبر و تقویٰ ہیں۔ (یہ چاروں) ان کی صفات ہیں، قرآن ان کے ساتھ مبیّن ہو کر آیا ہے، قرآن ان کے صفات وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے۔

ان کے فضائل کے لیے یہ بات کافی ہے کہ کتاب اللہ میں ان کا ذکر ہے، چنانچہ ان الابرار لفی نعیم اور واللہ یحب المحسنین اور واللہ یحب الصابرین اور فان اللہ یحب المتقین کے اندر انہی اوصاف والوں کے انعامات اور اعزازات مذکور ہیں۔ بطور نمونہ چند احادیث اور اس سے متعلق الفاظ قرآنی ذکر کیے گئے تفصیل کے لیے باب فضائل قرآن اور اس سے متعلق رسائل دیکھیے۔

اسحاق مسیبی نے عرض کیا کہ آپ کا چہرہ کیسا اچھا ہے اور اعضا کی بناوٹ کس قدر خوبصورت ہے؟ فرمایا ایسا کیوں نہ ہوتا، جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے خواب میں مصافحہ فرمایا — آپ نے ستر تابعینؒ سے قرآن پڑھا ہے انہیں میں سے امام ابو جعفر یزید بن قعقاع مدنی ہیں (م ۱۳۰ھ) جو قراءت کے آٹھویں امام اور حضرت عبداللہ بن عیاش کے آزاد کردہ غلام ہیں، آپ سے امام نافع نے ۹ سال کی عمر میں قرآن پڑھا ہے۔

۲ شیخ شیبہ ابن نصاح ۳ عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج ۴ یزید ابن رومان ۵ اور مسلم ابن جندل ہذلی ہیں، ان حضرات نے سیدنا حضرت ابن عباسؓ، ابوہریرہ اور عبداللہ ابن عیاش ابن ابی ربیعہ سے اور انہوں نے سیدنا حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے اور حضرت ابیؓ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا۔

امام نافع مدنیؒ کی قراءت تین واسطوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی

ہے ۔۔۔ تعلیم قرآن میں مصروفیت کا یہ عالم ہوتا تھا کہ آپ سے پڑھنے یا آپ تک پہنچنے کی طاقت کوئی شخص نہیں رکھتا تھا، آپ کے مشہور راوی اور تلمیذ رشید جناب عثمان ورش رح مصری (ولادت ۱۱۰ھ م ۱۹۷ھ) جن کا تذکرہ عنقریب آئے گا، فرماتے ہیں کہ میں متردد ہوا کہ کیسے مجھے کامیابی ہو، میں بعض بزرگوں کو سفارش کے لیے آپ کی خدمت میں لے گیا۔ آپ نے فرمایا میں کسقدر عدیم الفرصت ہوں مجھے مہاجرین وانصار کی تعلیم کے سبب بالکل فرصت نہیں ہے، میں ان کی تعلیم کو اپنا فرض اولین سمجھتا ہوں، ان کے آبا کا میرے سر پر احسان ہے، لیکن سفارش کنندگان نے عرض کیا کہ یہ شخص نہ حاجی ہے اور نہ تاجر، محض شوق قرأت میں مصر سے آپ کے پاس آیا ہے، اس کی طرف توجہ کرنی چاہیے، تو آپ نے فرمایا کہ مسجد میں رہو، جب فرصت ملے گی پڑھا دوں گا۔

ملا علی قاری (م، ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں :-

نافع بن عبد الرحمٰن مولیٰ جعونة بن شعوب الليثي حليف حمزة من عبد المطلب اصفهاني الاصل، اسود اللون، كان عالما بوجوه القراءات والعربية متمسكا بالآثار النبوية امام دار الهجرة المصطفوية، اجمع عليه بعد ابي جعفر من الطبقة الثانية، قال مالك قراءة نافع سنة اى مختار ــ ثم وكان اذا تكلم يشم من فيه رائحة المسك فقيل له كلما تقرأ او تقرء قال لا امس طيبا ولكني رأيت النبي صلى الله عليه وسلم في المنام يقرأ في فيّ فمن ذالك الوقت يوجد هذه الرائحة ـ

قال المسيبي لنافع ما اصبح وجهك واحسن خلقك قال كيف وقد صافحني رسول الله صلى الله عليه وسلم ـ

قراء سبعين من التابعين، منهم ابو جعفر يزيد بن القعقاع مولى عبد الله بن عياش المخزومي قال نافع كنت اقرأ عليه وانا ابن تسع ومنهم شيبه بن نصاح وعبد الرحمن بن هرمز الاعرج وغيرهم" (شرح ملا علی قاری صلا)

آپ کی ولادت ۷۰ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی اور وفات بھی مدینہ میں بزمانۂ خلافت ہادی باللہ سنہ ۱۶۹ھ میں ہوئی، آپ کا مزار جنت البقیع میں (امام مالکؒ کی قبر کے پاس) زیارت گاہِ عالم ہے ——— امام نافع مدنیؒ کے رواۃ اور تلامذہ بہت ہیں اور سب اعلیٰ درجہ کے معتبر ہیں، جیسے اسماعیل مسیبی، اصمعی، ابوخلیدہ، ابن حبان، امام مالک ابن انسؒ، ابوعمرو ابن العلاء وغیرہ، ان میں سے صرف دو راویوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

راویِ اوّل قالون ابوموسیٰ عیسیٰ ابن مینا مدنی ہیں۔ نام عیسیٰ ہے اور قالون آپ کا لقب ہے جو امام نافع یا امام مالک کی طرف سے آپ کی جودتِ قرآن کی وجہ سے مقرر کیا گیا تھا، "قالون" بزبان رومی جید اور عمدہ کو کہتے ہیں ——— قالون امام نافعؒ کے ربیب تھے۔ اور ایسے بہرے تھے کہ بجلی کی آواز بھی نہ سنتے تھے، امام نافعؒ کے بعد آپ ہی پر اہل مدینہ کا اجماع ہوا اور آپ ہی وہاں کے امام القراء ہوئے۔

حافظ ابوشامہؒ رقم طراز ہیں:

"ویلقب بقالون وهی کلمة رومیة یقولون للجید من الاشیاء هو قالون قیل لقبه نافع لجودة قرأته وقیل بل لقبه مالک بن انسؒ (ابراز المعانی ص۳۷)

آپ کی ولادت ۱۲۰ھ اور وفات ۲۲۰ھ میں بعمر سو سال مدینہ منورہ میں ہوئی جنت البقیع میں آپ کا بھی مزار ہے۔

راوی دوم ورش، ابوسعید عثمان ابن سعید مصری ہیں: آپ کی کنیت ابوسعید ہے اور نام عثمان ہے اور ورش آپ کا لقب ہے ——— ورش لغت میں ابیض اللون کو کہتے ہیں۔

بیاضی جلد کے سبب آپ اس لقب سے مشہور ہوئے ——— تحصیل علم کے بعد قرأت قرآن کے شوق میں آپ نے امام نافع مدنیؒ سے پڑھنے کے لیے مدینہ منورہ کا سفر کیا، امام موصوف نے بڑی سفارش کے بعد (جس کا ذکر امام نافعؒ

کے حالات میں گزر چکا ہے) تہجد کے بعد وقت دیا، ورشؒ خود فرماتے ہیں کہ مجھے مسجدِ نبوی میں رہنے کی تاکید کی، دوسرے روز جب صبح کی نماز سے قبل آپ مسجدِ نبوی میں تشریف لائے تو پوچھا، وہ مصری کہاں ہے؟ میں حاضر خدمت ہوا تو مجھے کچھ اصول بتائے اور پڑھنے کا حکم دیا، میں نے پڑھنا شروع کیا، جب میں دس آیتیں پڑھ چکا تو آپ نے مجھے خاموش ہو جانے کا اشارہ کیا، حلقۂ طلبہ میں سے ایک نوجوان نے کھڑے ہو کر کہا" اے معلّم خیر میں آپ کے ساتھ رہتا ہوں، یہ ہجرت کر کے آپ کے پاس آیا ہے میں اپنے وقت میں سے بقدر دس آیات اس کو ہبہ کرتا ہوں پھر ایک اور شخص نے دس آیتوں کا وقت ہبہ کیا، جس پر امام صاحب نے مجھے تیس آیتیں پڑھنے کی اجازت دی اس طرح پورا قرآن کئی مرتبہ آپ سے پڑھا،،

ڈاکٹر احمد محمد الحوفی "الطبری" فی اعلام العرب) میں بسلسلۂ امام ورشؒ بحوالہ "حسن المحاضرۃ" رقم طراز ہیں:

کان عثمان بن سعید اعظم مصدر لقرأۃ نافع وھو مصری الاصل، رحل الی المدینۃ فقرأ علی نافع ۱۵۵ھ ثم رجع الی مصر وجعل یقری بروایتہ اسنادہ الی ان توفی وعثمان ھذا ھو الذی لقبہ نافع بورش لشدۃ بیاضہ لان الورش من معانیہ البیاض۔

امام نافعؒ کے دیگر تلامذہ میں ابومیسرہ عبدالرحمٰن بن میسرہ (م ۱۸۸ھ) اور سقلاب بن شنینہ ابوسعید المصری کے نام نمایاں طور پر نظر آتے ہیں اور سقلاب تو امام ورشؒ کے معاصر بھی ہیں لیکن بایں ہمہ ورشؒ کو سب پر فوقیت اور برتری حاصل ہے، جیسا کہ ڈاکٹر الحوفی نے نقل کیا ہے،،۔

وکان ابومیسرۃ عبدالرحمٰن بن میسرۃ المتوفی ۱۸۸ھ من اول الذین اقرأوا فی مصر بروایۃ نافع قبل ان ینتصف القرآن الثانی کذلک ساھم فی نقل قراءۃ نافع الی سقلاب ابن شنینۃ ابوسعید المصری لانہ سمع من نافع نفسہ بالمدینۃ وکان سقلاب معاصراً لہ لکن ورشاً کان اعظم تلامیذ نافع شہرۃ وابرزھم فی تمثیل قراءۃ

استاذہ واکثرھم اتباعاً وتلامیذ (ایضاً ص ۲۳۱)

نیز امام ورشؒ کثرتِ تلامذہ کے اعتبار سے بھی سب پر فائق تھے اور آپ کے شاگرد بھی ایک سے بڑھ کر ایک ہوئے ـــــ مگر جملہ تلامذہ میں ابویعقوب یوسف الازرق بن عمر بن یسار المصری سب سے زیادہ شہرت اور مقبولیت کے مالک ہوئے، امام ورشؒ کے بعد مسندِ قرأت آپ نے ہی سنبھالی اور مصر و مغرب میں آپ اس قدر مشہور ہوئے کہ مصری اور اہل معاربہ امام ورشؒ اور ابویعقوب کے سوا کسی کو قاری جانتے ہی نہ تھے، ابویعقوب کی وفات ۲۴۰ھ میں ہوئی (حوالہ حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر والقاہرہ للسیوطیؒ جلد اص ۲۳ مطبوعہ مصر ۱۳۲۱ھ)

ورشؒ بڑے خوش آواز تھے، قرآن مجید بڑی تحقیق سے پڑھتے تھے، بعد ازاں ۱۵۵ھ میں مصر کی طرف مراجعت کی اور فن قراءات میں امام القراء ہوئے، بیالیس سال تک درس قرآن دیتے رہے ـــــ آپ کی ولادت ۱۱۰ھ اور وفات ۱۹۷ھ میں ہوئی اور موضع قرافہ میں مدفون ہوئے۔

امام نافعؒ کے دونوں رواۃ کے بارے میں علامہ شاطبی فرماتے ہیں:

وقالون عیسیٰ ثم عثمان ورشھم بصحبتہ المجد الرفیع تاثلا

(ترجمہ) اور قالون (یعنی) عیسیٰ پھر عثمان ان قراء میں کے ورشؒ جو ہیں ان دونوں نے امام نافعؒ کی صحبت سے بلند بزرگی کو جمع کر لیا (یعنی سردار اور مقتدا بن گئے)

بدرِ ثانی

امام ابن کثیر مکیؒ

آپ کا نام عبداللہ ابن کثیر بن عمرو بن فازان مکّی ہے آپ کی کنیت ابومعبد ہے اور ابن کثیر سے مشہور ہیں —— آپ عمرو بن علقمہ الکنانی کے آزاد کردہ غلام ہیں جلیل القدر تابعی ہیں —— حضرت امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) آپ کے تلامذہ میں سے ہیں قال الشاطبی قی شانہٖ ؎

ومکۃ عبد اللہ فیھا مقامہ هو ابن کثیر کاثر القوم معتلا

یعنی مکہ جو عبداللہ کی جائے اقامت ہے، یہ (یعنی) ابن کثیر (اپنی) قوم (یعنی قراء) میں غالب، نام آور اور بلند ہیں۔

امام شاطبیؒ نے امام ابن کثیرؒ کو "کاثر القوم" کہا ہے، اس کی وجہ دو بڑی خصوصیات ہیں جو بیک وقت آپ کو حاصل ہیں۔

(الف) آپ مکہ کے رہنے والے ہیں جو اکثر علماء کے نزدیک تمام مقامات سے افضل ہے۔

(ب) آپ نے صحابی رسول سیدنا عبداللہ بن سائب مخزومی رضؓ سے قرآن پاک پڑھا ہے، جب سیدنا عثمانؓ نے زید بن ثابتؓ اور قریش کی ایک جماعت سے آٹھ مصاحف لکھوائے اور ان کو مدینہ، مکہ، کوفہ، بصرہ، شام، بحرین اور یمن ان سات شہروں میں تقسیم کرایا اور ایک مصحف اپنے لیے رکھا جس کو "مصحف امام" کہتے ہیں، اس وقت حضرت عبداللہ بن سائبؓ کو ایک مصحف دیکر مکہ میں بھیجا اور فرمایا کہ لوگوں کو اسی مصحف کے موافق پڑھانا، چنانچہ یہ مکہ میں تشریف لائے اور اکثر مصنفین کے بیان کے مطابق ابن کثیر مکی نے بھی ان سے قرآن پڑھا۔

اور گو بدرِ رابع امام عامر شامیؒ نے بھی صحابہؓ کی ایک جماعت سے پڑھا ہے

جن میں حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں، لیکن ایک دم دو فضیلتیں جو الف اور ب کے ذیل میں بیان کی گئی ہیں، ابن کثیرؒ ہی کو حاصل ہوتی ہیں اور ممکن ہے علامہ شاطبی نے مذہب جمہور ہی کو پسند کیا ہو (کہ مکہ تمام مقامات سے افضل ہے) اور یہی صحیح تر ہے۔

امام ابن کثیر مکیؒ نے صحابہؓ کی ایک جماعت سے ملاقات کی، جیسے حضرت ابو ایوبؓ انصاری، حضرت انس اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہم۔

آپ مکہ میں عطر کی تجارت کرتے تھے، اس لیے آپ کو داری (عطار) کہا جاتا تھا، چنانچہ علامہ ابو عمرو عثمان دانی رح اپنی کتاب "التیسیر" میں لکھتے ہیں:

"ھو عبد اللہ ابن کثیر الداری مولی عمرو بن علقمۃ الکنانی والدار العطار" (باب ذکر اسماء قراء السبعہ)

آپ ان اہلِ فارس کی اولاد میں سے ہیں جن کو کسریٰ نے کشتیوں میں سوار کرکے یمن کی طرف بھیجا تھا۔ آپ امام فی الحدیث بھی تھے، آپ کے جلیل القدر ہونے ہی کی بنا پر ابو عمرو اور خلیل ابن احمد بصری، سفیان بن عیینہ اور امام شافعی رحمہم اللہ علیہم جیسے بڑے بڑے ائمہ بھی آپ سے قراءت نقل کرتے ہیں۔

ملا علی قاریؒ شرح شاطبیہ میں رقم طراز ہیں:

"ثنٰی (العلامۃ الشاطبیؒ) بابن کثیر لانہ من اشرف الامکنۃ عند اکثر الائمۃ لوجوب قصدھا فی الجملۃ وادراکہ جماعۃ من الصحابۃ کابی ایوب الانصاری وانس وابن زبیر وکان عطارا بمکۃ وھو من ابناء فارس الذین بعثھم کسریٰ فی السفن الی الیمن وکان اماما فی الحدیث ویحفظ اصحابہ امام القراءۃ ولجلالتہ نقل عنہ ابو عمرو والخلیل بن احمد وسفیان بن عیینۃ والشافعی وقرء علی عبد اللہ بن السائب المخزومی الصحابی رض وکان ابن السائب الذی بعث عثمان معہ بمصحف الی اھل مکۃ لما کتب المصاحف وسیرھا الی الامصار

وروى ابن مجاهد ... بمصحفه ... عبد الله بن كثير
على مجاهد وغير واحد من ... وابن ... على جماعة
من الصحابة منهم ... الا ان ... التضعيف ...
... شروط ...

امام ابن کثیر مکیؒ نے حضرت عبد اللہ بن السائبؓ اور مجاہد بن جبیر اور درباس مولیٰ ابن عباس سے بھی قرآن پڑھا۔ اور عبد اللہ بن السائبؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت عمر بن الخطاب سے۔ اور مجاہد و درباس نے ابی بن کعبؓ، ابن عباس اور زید بن ثابتؓ سے۔ اور ان سب حضرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا۔ پس امام ابن کثیرؒ کی قراءت دو واسطوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔

حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں ۴۵ھ میں امام ابن کثیر مکیؒ مکہ میں پیدا ہوئے کچھ عرصہ عراق میں رہے، پھر مکہ میں واپس آ گئے۔ اور بزمانہ ہشام بن عبد الملک ۱۲۰ھ میں مکہ ہی میں بعمر ۷۵ سال وفات پائی۔

امام ابن کثیر مکیؒ کے رواۃ بھی بہت ہیں اور سب ثقہ ہیں، جیسے ابن فلیح وغیرہ۔ ان میں سے دو کا ذکر کیا جاتا ہے۔

راویِ اوّل

ابو الحسن احمد بن محمد بن عبد اللہ بن القاسم بن نافع بن ابی بزہ ہیں احمد نام ہے اور ابو الحسن آپ کی کنیت ہے، آپ بزی کے نام سے مشہور ہیں ——— بزہ ایک مقام کا نام ہے، نیز آپ کے پردادا کی کنیت ابو بزہ تھی، جس کی طرف یہ منسوب ہیں۔

آپ حدیث کے عالم تھے، چالیس سال مسجد حرام مکہ کے مؤذن و امام رہے۔ اپنے زمانے کے مسلم شیخ القراء تھے، آپ نے ایک بڑی جماعت سے پڑھا، جن میں سے عکرمہ ابن سلیمان مکی ہیں، انھوں نے شبل بن عباد اور اسماعیل بن عبد اللہ قسط سے پڑھا اور شبل نے عبد اللہ ابن کثیر مکیؒ سے پڑھا، پس روایت

بزّی دو واسطوں سے ابن کثیر تک پہنچتی ہے۔

علامہ ابوشامہ رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں ؛

احدھما ابو الحسن احمد بن محمد بن عبد اللہ بن القاسم بن نافع بن ابی بزہ، مولی لبنی مخزوم، مؤذن المسجد الحرام و اما مھا اربعین سنۃ وانما قیل لہ البزی لانہ المنسوب الی جدہ ابی بزہ قرأ البزی علی جماعۃ منھم عکرمۃ بن سلیمان وقرأ عکرمۃ علی شبل والقسط و قرأ علی ابن کثیرؒ" (ابراز المعانی ص۱۲)

آپ کی ولادت ۱۷۰ھ میں ہوئی، اور صاحب "تیسیر" و ملا علی قاریؒ کے قول پر وفات ۲۵۰ھ بعمر ۸۰ سال مکہ میں ہوئی،

راوی دوم

آپ کا نام محمد بن عبد الرحمٰن بن محمد بن خالد بن سعید ہے، آپ کی کنیت ابوعمرو ہے، مکّہ کے رہنے والے ہیں، قنبل آپ کا لقب ہے اور اسی لقب سے آپ مشہور ہیں، آپ کے تمام گھرانے کو قنابلہ کہتے ہیں۔

قنبل کے معنی شدت اور مضبوطی کے ہیں، ابوالحسن احمد بن محمد بزّی کے بعد آپ قرأت کے امام اور حجاز کے رئیس القراء تھے، حافظ ابوشامہ فرماتے ہیں :

ویلقب بقنبل یقال رجل قنبل وقنابل ای غلیظ شدید ذکرہ صاحب المحکم وغیرہ وقیل فی سبب تلقیبہ بقنبل وغیر ذلک ذکرنا فی الشرح الکبیر (ابراز ص۱۲)

یعنی آپ کا لقب قنبل ہے، مضبوط اور شدید القوی آدمی کو قنبل اور قنابل کہا جاتا ہے، صاحب محکم وغیرہ نے ایسا ہی ذکر کیا ہے، اور آپ کے ملقب بہ قنبل ہونے کے دیگر اسباب بھی بیان کیے گئے ہیں، تفصیل مصنف کی کتاب "شرح کبیر" میں دیکھی جا سکتی ہے، آپ نے قرآن پاک ابوالحسن احمد بن محمد قواس سے پڑھا، اور قواس نے ابوالخریط وہب بن واضح سے، ابوالاخریط نے اسماعیل بن قسط سے، اور اسماعیل قسط نے شبل ابن عباد سے، شبل نے امام ابن کثیر مکی سے، اس طرح روایت قنبل چار واسطوں سے امام ابن کثیر مکیؒ تک پہنچتی ہے۔

آپ کی ولادت مکہ معظمہ میں ۹۵ھ میں ہوئی اور وفات ۲۹۱ھ میں بعمر ۹۶ سال مکہ معظمہ میں ہوئی۔

قال الشاطبی فی شانہا ؎

روی احمد البزی لہ ومحمد من ابن کثیر بالواسطہ علیٰ سند وھو المقلب قنبلا

علامہ ابوعمرو دانی رح "تیسیر" میں قنبل کو بزی سے پہلے لائے ہیں اور علامہ شاطبی نے اس کے برعکس کیا ہے، اس کے تین وجوہ ہیں :

(۱) بزی اور امام ابن کثیرؒ کے درمیان واسطے کم ہیں۔

(۲) بزی قنبل کے استاذ ہیں۔

(۳) بزی عالم حدیث بھی ہیں، جیساکہ ملا علی قاری لکھتے ہیں :

"و قدم البزی خلافاً للتیسیر لعلو سندہ و لکون قنبل قرأ علیہ ایضا کما ذکرہ ابو شامۃ" (شرح شاطبی ص ۱۲، ۱۳)

بدرِ ثالث

ابُو عمرو بن العلا البصری

ابو عمرو بن العلاء بن عمار بن عبداللہ بن الحصین بن الحارث البصری المازنی ہیں، آپ کے نام میں بہت اختلاف ہے، چنانچہ تیئیس اقوال ملتے ہیں، سب میں صحیح تر یہ ہے کہ آپ کا نام "زبّان" ہے اور کنیت ابوعمرو ہے، اسی سے آپ مشہور ہیں۔

آپ بصرہ کے رہنے والے ہیں اور قبیلہ مازن سے تعلق رکھتے تھے، اس لیے مازنی کہلاتے ہیں اور چونکہ آپ کے آباؤ اجداد سب خالص عرب ہیں، اس لیے آپ کو "صریح" یعنی خالص کہا جاتا ہے، چنانچہ علامہ شاطبیؒ آپ کی شانِ عالی میں فرماتے ہیں ؎

واما الامام المازنی صریحھم　　　ابوعمرو البصری فوالدہ العلا

آپ عادل، زاہد ثقہ اور معتبر تھے، امورِ خیر میں مال خرچ کرتے تھے، اور عربیت کے مختلف علوم وفنون میں اپنی نظیر آپ تھے، چنانچہ قراءت، نحو وصرف، لغت، تاریخ انساب اور اشعار وغیرہ میں ماہر تھے۔

اصمعی کہتے ہیں کہ میں نے آپ سے ایک ہزار مسائل پوچھے، آپ نے ہر مسئلہ کا جدا جدا جواب دیا اور ہر مسئلہ پر زمانۂ جاہلیت کے شعراء کے کلام سے دلائل پیش کیے ——— جس زمانہ میں آپ بصرہ میں روپوش تھے تو آپ کی عیادت کے لیے آپ کی خدمت میں مشہور شاعر فرزدق آئے اور آپ کی شان میں چند اشعار پیش کیے جن میں سے پہلا شعر یہ تھا ؎

مازلتُ افتح ابوابًا واغلقھا　　　حتی رأیت اباعمرو بن عمار

بایں ہمہ آپ خود فرماتے تھے کہ میں نے قرآن کا ایک حرف بھی بغیر نقل وائمہ کے اپنی رائے سے نہیں پڑھا ——— امام احمد ابن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ابوعمرو

کی روایت مجھے بہت پسند ہے۔

آپ کی قرأت نہایت دلآویز، دلنشین، اور تکلیف سے بالاتر تھی، جب آپ مدینہ تشریف لے گئے تو آپ سے پڑھنے کے لیے لوگ ٹوٹ پڑے اور ایک دوسرے پر سبقت کرنے لگے اور حال یہ تھا کہ جس نے آپ سے کسب فیض نہ کیا ہو آپ سے قرأت کی تعلیم نہ حاصل کی ہو، اہل مدینہ اسے قاری نہیں سمجھتے تھے ـــــ

سفیان بن عیینہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ یا رسول اللہ! میں کس سے قرأت پڑھوں؟ تو آپ نے فرمایا" ابو عمرو بن العلاء کی"۔ حافظ ابوشامہ رقم طراز ہیں:

" ابو عمرو بن العلاء البصری رحمہ اللہ تعالیٰ اغزرھم علماً واتقبھم فھماً، قرأ علی جماعۃ جلۃ من التابعین، ومن اھل الحجاز والعراق کمجاھد، وعطاء وعکرمۃ وسعید بن جبیر ویحییٰ بن یعمر وابی العالیۃ، واشتھرت قراءتہ فی البلاد واخبر مثل سفیان بن عیینۃ قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام فقلت یا رسول اللہ قد اختلفت علیّ القراءات فبقراءۃ من تامرنی ان اقرأ فقال اقرأ بقراءۃ ابی عمرو بن العلاء،

وقال احمد بن حنبل رح فی احدی الروایات عنہ قراءۃ ابی عمرو احب القراءات التی ھی قراءۃ قریش وقراءۃ الفصحاء (ابراز ص۵)

آپ نے تابعین کی جماعت کثیرہ سے قرآن پاک کی تعلیم حاصل کی، ستر شیوخ کی تعداد بیان کی جاتی ہے ـــــ آپ کے شیخ حسن بصریؒ نے جب آپ کے گرد طلبہ کا اژدحام دیکھا تو تعجب سے فرمایا، لا الہ الا اللہ، کیا علماء ارباب بن گئے اور جس عزت کی بنیاد علم پر نہ ہو اس کا انجام ذلت ہے۔

آپ کے شیوخ میں حضرت امام ابوجعفر یزید بن قعقاعؒ مدنی، امام ابن کثیر مکیؒ، مجاہد، سعید بن جبیرؒ، عاصمؒ، حسن بصریؒ، عطاءؒ، عکرمہ بن خالد، ابن محیصن وغیرہ

ہیں، حسن بصری وغیرہ نے ابوالعالیہ سے اور ابوالعالیہ نے سیدنا عمر بن خطابؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ سے، ان دونوں حضرات نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا۔

پس ابوعمرو بصری رح کی قرأت تین واسطوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے، ملا علی قاری ارقام فرماتے ہیں:

ابو عمرو کان ثقة عدلا، زاهدا، یتصدق بالجوائز وینفق من ارض ورثها وهو من ائمة القراءة والنحو وقال ما قرأت حرفا بغیر اثر ولما قدم المدینة اسرع الناس الیه للقراءة علیه وکانوا لا یجدون فابیا من لم یجض لدیه وقال احمد قراءة ابی عمرو احب القراءة الیّ (شرح شاطبی ص۱۱)

آپ کی ولادت بزمانۂ عبدالملک ۶۸ھ یا ۶۹ھ میں مکہ میں ہوئی، بصرہ میں پرورش پائی اور ۱۵۴ھ یا ۱۵۵ھ میں بزمانۂ خلافت منصور شام کی طرف جاتے ہوئے کوفہ میں بعمر ۸۶ سال وفات پائی۔

امام ابوعمرو بصریؒ کے اگرچہ بہت سے رواۃ تھے، نیز آپ کے علوم کے حامل اور آپ کے تلمیذ رشید "یزیدی" کے بہت سے شاگرد تھے لیکن امت نے صرف دو شاگردوں پر اجماع اور اتفاق کیا، انہیں سے ابوعمرو بصریؒ کی قرارت شائع ہوئی یہ دونوں رواۃ "یزیدی" کے واسطے سے روایت کرتے ہیں۔

واضح ہو کہ آئمہ سبعہ کے شاگردوں کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ وہ جو خود بلا واسطہ امام کے شاگرد ہیں یہ صاحب عاصم کسائی کے اصحاب و ناقلین ہیں۔

۲۔ وہ جن کے درمیان کئی واسطے ہیں، یہ ابن کثیرؒ اور ابن عامر کے راوی ہیں۔

۳۔ وہ کہ امام اور ان کے درمیان صرف ایک واسطہ ہے، یہ ابوعمرو بصریؒ اور حمزہ زیات کے اصحاب ہیں پس امام ابوعمرو بصری اور ان کے اصحاب کے درمیان یحیی یزیدی کا اور حمزہ اور ان کے راویوں کے درمیان سُلیم کا واسطہ ہے۔

یحییٰ یزیدی

امام ابوعمرو بصریؒ کے راویوں میں امام ابومحمد یحییٰ بن مبارک بن مغیرہ مصری، نحوی، بغدادی المعروف بہ یزیدی کا حافظہ نہایت قوی تھا، نیز یزیدی امام ابوعمرو بصری کے علوم کے حامل اور خاص شاگرد تھے، ابوالعتاہیہ کہتے ہیں۔

"میں نے آپ کے حافظہ سے دس ہزار ورق لکھے تھے اور یہ سب وہ تھا جو آپ نے ابوعمرو سے حاصل کیا تھا، اور جو خلیل سے سیکھا تھا وہ اس کے علاوہ تھا۔

(عنایات ج ۱ ص ۱۳۱)

یحییٰ کو یزیدی اس لیے کہتے ہیں کہ مہدی کے ماموں یزید کے ہم نشین تھے اور اور ان کے لڑکوں کے اتالیق اور استاد بھی تھے، پھر ہارون رشید نے مامون کی اتالیقی پر مقرر کر دیا۔ قراءت، نحو، اور لغت کے ماہر تھے اور صاحب تصنیف عالم تھے، مُلّا علی قاری لکھتے ہیں۔

"صاحب یزید بن المنصور الحمیری خال المهدی وکان یؤدب ولد یزید ثم اتصل بالرشید فجعل المامون فی حجرہ یؤدبه لما قرأ علیه، وهو امثل اصحاب ابی عمرو وکان یأتیه الخلیل شیخ سیبویه و ینا ظر الکسائی، وکان یقری لحمزة ایضاً" (شرح شاطبیه ص ۱۳)

علامہ شاطبیؒ آپ کی شان میں فرماتے ہیں ؎

افاض علی یحیی الیزیدی سیبه　　فاصبح بالعذب الفرات مُعَلَّلاً

یعنی امام ابوعمرو نے اپنے علم کی بارش یحییٰ یزیدی پر برسائی۔ پس وہ (یحییٰ) شیریں اور پیاس دور کرنے والے پانی سے سیراب (علم سے مالا مال ہو گئے)

یزیدی کے تلامذہ اور شاگرد بہت تھے، جیسے ابن سعدان، ابوحمدون اور ابن فرح وغیرہ، لیکن ان میں سے دو کا ذکر کیا جاتا ہے" وله رواة کابن سعدان وابی حمدون وابن فرح ذکر منهم راویین" (حوالہ ایضاً)

آپ کی ولادت ۱۲۸ھ میں اور وفات خراسان یا بغداد میں ۲۰۲ھ میں ہوئی امام ابوعمرو بصریؒ کی قراءت جن راویوں سے شائع ہوئی ان کے حالات درج ذیل ہیں۔

لہ (اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

راوی اول

ابو عمر حفص بن عمر بن عبد العزیز بن صہبان ازدی دوری ہیں۔
آپ کی کنیت ابو عمر ہے اور دور ایک موضع کا نام ہے جو مضافات بغداد میں جانب مشرق واقع ہے۔

آپ نابینا تھے، آپ نے امام اسماعیل بن جعفر انصاری، امام کسائی، مسلم ابن عیسٰی اور یزیدی سے قرأت پڑھی، اور یزیدی نے امام ابو عمرو بصری رح سے پس دوری رح اور امام ابو عمرو بصری رح کے درمیان صرف ایک واسطہ ہے[1]

اوّل اوّل آپ ہی نے قراءات جمع کیں اور اس فن میں کتاب لکھی۔

مصر کے شیخ القراء شیخ علی بن محمد الشہیر بالضباع قصیدہ شاطبیہ کی شرح "ارشاد المرید الی مقصود القصید" میں لکھتے ہیں۔" وھو اول من جمع القراءات
ملا علی قاری رقم طراز ہیں:

"جمع السبعة وصنف فیھا کتابا وکتب الحدیث وسمع کثیرا" (ص۱۳)

بعض کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اپنے وطن بمقام دور ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور وفات ۲۴۶ھ میں ہوئی۔
ملا علی قاری لکھتے ہیں:۔

"حفص الازدی الضریر النحوی منسوب الی دور موضع بقرب بغداد ولد بھا سنة خمسین ومائة......ومات سنة ست واربعین ومائتین" (ص۱۳)

---

[1] نظم کے اندر چونکہ ایک واسطہ کا بیان کرنا نسبتہً آسان ہوتا ہے اس لیے علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے امام بصری رح کا واسطہ یعنی یزیدی اور امام حمزہ رح زیات (بدیر سادس) کا واسطہ یعنی سُلیم کا ذکر فرمادیا ہے (جیسے ؎

روی خلف عنہ وخلاد ن الذی رواہ سُلیم متقنا ومحصلا

(کما ذکرہ ابو شامہ)

راوی دوم

ابوشعیب صالح ابن زیاد عبداللہ بن اسماعیل السوسی ہیں۔ آپ کا نام صالح ہے اور کنیت ابوشعیب ہے، سوسی کے لقب سے مشہور ہیں۔

سوس ایک جگہ کا نام ہے جو آپ کا پیدائشی وطن ہے، اہواز کے علاقہ میں ہے، پھر آپ رقّہ میں رہنے لگے تھے جو برلب دریا فرات ارض ربیعہ کا ایک شہر ہے۔
آپ امام ابوعمرو بصری رح کے جملہ تلامذہ میں جلالت رکھتے تھے۔

آپ نے یحییٰ یزیدی سے قرآن پاک کی تعلیم حاصل کی، اور یزیدی نے امام ابوعمرو بصری رح سے، پس مثل ابوعمرو دوری کے سوسی اور امام ابوعمرو رح کے درمیان بھی ایک ہی واسطہ ہے۔

آپ کا زمانہ ولادت معلوم نہیں لیکن آپ کی وفات رقّہ میں بعمر تقریباً ۹۰ سال محرم سنہ ۲۶۱ھ میں ہوئی، اس سے غالباً سن ولادت سنہ ۱۷۱ھ نکلتا ہے۔
شیخ ابوشامہ لکھتے ہیں:

"والثانی ابوشعیب صالح بن زیاد السوسی نسب الی السوس موضع بالاھواز وھات بالرقۃ سنۃ احدی وستین ومائتین فی المحرم (ابراز ص۲۲)

بدرِ رابع

امام ابن عامر شامیؒ

ابو عمران عبداللہ بن یزید بن ربیعہ یحصبی ہیں۔

آپ کی کنیت ابو عمران ہے اور ابن عامر کے نام سے مشہور ہیں، یمن کے قبیلہ یحصب سے تعلق رکھتے ہیں، اس لیے یحصبی کہلاتے تھے۔

آپ جلیل القدر تابعی ہیں، گو ابوبکر ابن مجاہد نے آپ کو ائمہ سبعہ میں چوتھے نمبر پر رکھا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ قرار سبعہ میں آپ کبار تابعین میں سے تھے، اور بلحاظ زمانہ و شیوخ آپ سب سے مقدم ہیں۔

آپ نے حضرت ابوالدرداء عویمر بن عامر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو دیکھا اور ان سے قرأت سیکھی، علاوہ ازیں شیخ القراء ہاشم مغیرہ ابن ابی شہاب، عبداللہ ابن عمر بن مغیرہ مخزومی تلمیذ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت فضالہ ابن عبید اوسی انصاری اور حضرت واثلہ ابن الاسقع لیثی کی زیارت کی اور ان سے قرأت سیکھی، خود فرماتے ہیں کہ میں نے واثلہ ابن اسقع کی زیارت کی تو ان سے کہا کہ آپ نے اپنے اس ہاتھ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ہے، کہا ... ہاں! پس میں نے ان کا ہاتھ چوم لیا اور حضرت بلال بن ابی الدرداءؓ کی وفات پر دمشق کے قاضی مقرر ہوئے، پھر امام بنائے گئے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اپنی خلافت میں آپ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، دارالخلافہ دمشق صحابہؓ اور تابعینؒ سے بھرا ہوا تھا، اس کے باوجود آپ دمشق جیسے مرکزی مقام میں قضاء، امامت و مشیخت قرآن کے تین مناصب جلیلہ کے حامل تھے، آپ کی حیات میں آپ کی اختیار کردہ قرأت پر اجماع ہوگیا تھا۔ حافظ ابوشامہ لکھتے ہیں: "ابو عمران عبد اللہ بن عامر الدمشقی رحمہ اللہ تعالیٰ ھو اسن القراء السبعۃ و اعلاھم اسنادًا، قرأ علی جماعۃ من

الصحابة حتى قيل انه قرأ على عثمان بن عفان رضی الله عنه وانه ولد فی حياة النبی صلی اللہ علیه وسلم وممن قرأ هو عليه من الصحابة معاوية وفضالة بن عبيد، وواثلة بن الاسقع وابو درداء رضی اللہ عنهم فلما مات ابوالدرداء خلفه ابن عامر وقام مقامه، واتخذه اهل الشام اماما، وحديثه مخارج فی صحيح مسلم ومن رواته الأخذين عن اصحابه: هشام بن عمار احد شيوخ ابی عبد الله البخاری رحمه الله۔ (ابراز ص ۴۰۵)

آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے قرآن کی تعلیم حاصل کی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے، پس امام ابن عامرؒ کی قرأت صرف ایک واسطہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔

قال الشاطبی فی شاته العالی ؎

اما دمشق الشام دار ابن عامر فتلك بعبد الله طابت محللا

ملا علی قاری فرماتے ہیں:

وهو عبد الله بن عامر اليحصبی قاضی دمشق ايام الوليد وخطيبها ايام عمر بن عبد العزيز ايضا وهی دار الخلافة حينئذ تابعی من ائمة القراءة، والحديث، قال لقيت واثلة بن الاسقع فقلت له بايعت بيدك هذه رسول الله صلی الله عليه وسلم فقال نعم فقبلتها۔ (شرح شاطبیؒ ص ۱۳، ۱۴)

آپ ایک قول پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دو سال قبل ۸ھ میں اور دوسرے قول پر ۲۱ھ میں موضع جابیہ میں جو شام کا ایک قریہ ہے پیدا ہوئے اور شام کی فتح کے بعد دمشق میں مقیم ہو گئے، اس وقت آپ کی عمر ۹ سال تھی، اور ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں ۱۱۸ھ میں بعمر ستانوے سال ۱۰ محرم عاشورہ کے دن دمشق میں وفات پائی، آپ کی ولادت و وفات کے

بارے میں ملا علی قاری کے الفاظ یہ ہیں :

ولد سنة احدی وعشرین بالجابیة قریة بالشام قبل وفات النبی صلی الله علیه وسلم بسنتین ثم انتقل الی دمشق بعد فتحها وهو ابن تسع ومات بها یوم عاشورا سنة ثمانی عشرة ومائة" (حوالہ ایضاً)

امام ابن عامر شامی رح کے بھی بے شمار تلامذہ و رواۃ ہیں اور سب ثقہ اور معتبر ہیں، جیسے ولید بن عقبہ، ولید بن مسلم اور عبدالرزاق الوراق وغیرہ، لیکن امت نے کسی پر اتفاق نہ کیا، بعد ازاں ہشام اور آپ کے دوسرے ساتھی ابن ذکوان قرشی پر اتفاق ہوا اور انہیں سے امام ابن عامر کی قرأت کی اشاعت ہوئی

راوی اوّل ابوالولید ہشام بن عمار بن نصیر بن میسرہ سلمی دمشقی ہیں، آپ دمشق کے شیخ القراء تھے اور جامع دمشق کے خطیب اور مفتی، نیز آپ حفاظ حدیث میں سے ہیں، بخاری، ترمذی (و ۲۰۹ھ م ۲۷۹ھ) وابوداؤد (و ۲۰۲ھ م ۲۷۵ھ) ونسائی (و ۲۱۵ھ م ۳۰۳ھ) وابن ماجہ (و ۲۰۹ھ م ۲۷۳ھ) اور دیگر کثیر التعداد محدثین آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

آپ اور امام ابن عامر شامی کی قرارت کے درمیان دو واسطے ہیں، امام ابن عامر شامی رح کے تلامذہ میں ابو عمر یحییٰ بن حارث ذماری متوفی ۱۴۵ھ میں ہیں، جن کے چار شاگرد تھے، (۱) ابوالعباس صدقہ ابن خالد اموی متوفی ۱۸۰ھ (۲) ابو محمد سوید بن عبدالعزیز واسطی متوفی ۱۹۴ھ (۳) ابوضحاک عراک بن خالد بن یزید مری (۴) ابو سلیمان ایوب ابن تمیم تیمی متوفی بعد از ۱۹۰ھ، یہ چاروں شیخ القراء دمشق کے رہنے والے تھے، ان چاروں سے شیخ الاسلام ابوالولید ہشام نے قرأت حاصل کی۔

علامہ ابو عمرو دانی صاحب "تیسیر" اور ابن مجاہد نے ابن ذکوان کو ہشام پر مقدم کیا ہے، لیکن علامہ شاطبی رح نے ہشام کے مشہور فی الحدیث ہونے کی وجہ سے اس کے خلاف کیا ہے، آپ کے بارے میں ملا علی قاری لکھتے ہیں :

"ابو الولید هشام بن عمار السلمی الدمشقی قاضیها وخطیبها و

ومفتيها ومقرئها تدمه لشهرته بالحديث خلافاً للتسيير قرأ عليها
إراك بن خالد المري التابعي وايوب بن تميم على يحيى بن الحارث . .
الذماري، على بن عامر" (ص۱)

حافظ ابوشامہ فرماتے ہیں :

ھشام خطیب دمشق احد المکثرین الثقات (ابراز ص۲۳)

آپ کی ولادت ۱۵۳ھ میں اور وفات ۲۴۵ھ یا ۲۴۶ھ میں بانوے ۹۲ سے یا
ترانوے سال کی عمر میں دمشق میں ہوئی۔

راوی دوم عبداللہ بن احمد بن بشیر بن ذکوان قرشی دمشقی ہیں، آپ کی کنیت ابو عمرو
ہے، ابن ذکوان سے مشہور ہیں، ذکوان آپ کے پردادا کا نام
تھا نہ کہ والد کا۔

امام ابن ذکوانؒ جامع دمشق میں جمعہ کے سوا پنجگانہ کے امام تھے، ہشامؒ کے
بعد آپ ہی شیخ القراء قرار دیئے گئے،

آپ بڑے ثقہ اور عالم باعمل تھے، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دیگر محدثین کی ایک
کثیر جماعت آپ سے حدیث روایت کرتی ہے، ولید بن عتیبہ کہتے ہیں کہ تمام
عراق میں آپ سے بہتر قرآن پڑھنے والا نہ تھا۔

آپ نے امام ابوسلیمان ایوب بن تمیم سے قرآن پڑھا، اور انہوں نے یحیٰی بن
حارث ذماری سے اور یحیٰی نے امام ابن عامر شامیؒ سے پس ابن ذکوان اور امام
ابن عامر کے درمیان بھی دو واسطے ہیں، علامہ ابوشامہ رقمطراز ہیں :

" قرأ علی ایوب بن تمیم ایضًا وکان یصلی امامًا بجامع دمشق
سوی الجمعۃ" (ابراز ص۲۳)

آپ کی ولادت ۱۷۳ھ میں ۱۰ محرم کو ہوئی اور دمشق یا کوفہ میں ۲۴۲ھ
میں بعمر ۶۹ سال وفات پائی۔

امام ابن عامر شامی رحہ کے دونوں راویوں کے بارے میں علامہ شاطبیؒ

فرماتے ہیں ؎

ھشام وعبد اللہ وھو انتسابہ لذکوان بالاسناد عنہ تنقلا

(ترجمہ) ہشام اور عبداللہ اور یہ (یعنی عبداللہ) ان کی نسبت ذکوان کی طرف ہے سند کے ساتھ ان دونوں نے ان سے قراءت نقل کی ہے

مرکز علم کوفہ کا علمی امتیاز

ع جو ذرّہ یہاں سے اٹھتا ہے وہ نیّر اعظم ہوتا ہے

سرزمین کوفہ اپنے گوناگون اوصاف اور بوقلموں خصوصیات، نیز فقہ، حدیث لغت اور قراءات میں اپنی مرکزیت کے باعث علماء کی توجہ کا مرکز رہی ہے۔ اس کی عظیم ترین خدمات کا تقاضا یہ ہے کہ کوفہ کے ذکر خوشبو پھیلاتے رہیں اس اعتبار سے یہ ایک دینی خدمت بھی ہے[۱]

بنائے کوفہ امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں جب "عراق" کو بدست سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فتح کیا تو آپ نے "کوفہ" کے بنا کا حکم فرمایا، چنانچہ علوم وفنون کے اس عظیم مرکز کی بنیاد ۱۷ھ میں پڑھی اس کے بعد سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے "کوفہ" کے اردگرد قبائل عرب کے فصحا کو آباد کرایا، اور اہل کوفہ کی تعلیم اور دینی و مذہبی امور کی نگرانی کے لیے معلم الامت سیدنا عبداللہ بن مسعود المکنی با ابن ام عبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر کیا اور یہ ارشاد فرمایا۔

---

[۱]: اسی جذبے و خیال کے پیش نظر اس عنوان کو زیر نظر تالیف کا جزو بنایا گیا ہے ۱۲ حاشیہ نمبر ۲ اگلے صفحہ پر

"وقد آثرتکم بابن ام عبد علی نفسی"۔

یعنی میں خود اس بات کا محتاج تھا کہ حضرت ابن مسعودؓ سے استفادہ کروں لیکن تمہیں خود پر ترجیح دیتے ہوئے ابن مسعود کو بھیج رہا ہوں۔

اس کے علاوہ بھی متعدد مواقع پر حضرت عمرؓ نے ابن مسعودؓ کے تبحرّ علمی کا واضح اعتراف فرمایا ہے، چنانچہ ایک بار آپ کو دیکھ کر فرمایا:

کنیف ملیئی فقہاً و فی روایۃ علماً۔

یعنی ایک مشک ہے فقہ سے بھری ہوئی، علم سے بھری ہوئی،

یہی نہیں بلکہ ابن مسعودؓ کی فضیلت میں بہت سی روایات بھی موجود ہیں صرف چند روایات کا ذکر کیا جاتا ہے ان سے آپ کی فضیلت وعظمت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا۔ "انی رضیت لامتی مارضی لھا ابن ام عبد وسخطت لھا ما سخط لھا ابن امّ عبد"

یعنی ابن مسعودؓ جن امور کو پسند کریں میں ان کو اپنی ساری امت کے لیے پسند کرتا ہوں اور جن امور کو وہ ناپسند کریں میں بھی انہیں ناپسند کرتا ہوں۔ (الکمال)

ارشاد فرمایا "تمسکوا بعھد ابن امّ عبد"

یعنی ابن مسعودؓ کی ہدایت اور حکم کو مضبوطی سے پکڑے رہو (ترمذی ج ۲ ص ۲۲۱)

ارشاد فرمایا "ما حدثکم ابن مسعود فصدّقوا" (ترمذی)

یعنی جب ابن مسعود کوئی حدیث بیان کریں تو اس کی تصدیق کرو۔

ارشاد فرمایا: "ما اقرأکم عبد اللہ فاقرأوا"

"یعنی عبد اللہ ابن مسعودؓ جو تمہیں پڑھائیں وہ پڑھو (ترمذی عن حذیفہؓ)

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

؎ قبل از اشاعت اسلام ۳۷۴ اشخاص عبد اللہ نام کے تھے اور سب کے سب مشرف باسلام ہو کر سعادت صحبت نبویؐ سے بہرہ ور ہوئے، حضرت ابن مسعودؓ بھی ان ہی میں ہیں، ان میں ابن عباس رضؓ ابن عمر رضؓ ابن زبیر رضؓ، ابن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم زیادہ مشہور ہوئے۔

ارشاد فرمایا "من احب ان یقرأ القرآن غضًا فلیقرأ علی قراءۃ ام عبد"
یعنی جو شخص قرآن کو تر و تازہ پڑھنا پسند کرے وہ ابن ام عبد رضؓ کی قرأت پر قرآن کو پڑھے (ابن ماجہ ص ۱۳)

ارشاد فرمایا "خذوا القرآن من اربعۃ، من عبد اللہ بن مسعود، سالم مولیٰ ابی حذیفۃ، وابی بن کعب، ومعاذ بن جبل،
یعنی قرآن ان چار آدمیوں سے سیکھو، عبداللہ ابن مسعود رضؓ سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضؓ ابی بن کعب رضؓ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم،
(بخاری ج ۲ ص ۷۴۸، مسلم ج ۲ ص ۲۹۳، ترمذی ج ۲ ص ۲۲۲)

اس روایت میں حضرت ابن مسعود رضؓ کا نام سر فہرست ہے۔
علامہ ابن حجر عسقلانی اس کی شرح میں رقمطراز ہیں "وان البداءۃ بالرجل فی الذکر علی غیرہ فی امر اشترک فیہ مع غیرہ یدل علی تقدمہ فیہ
(فتح الباری ج ۹ ص ۴۳، مطبوعہ مصر)
یعنی جو چیز چند آدمیوں میں مشترک طور پر پائی جائے، اس سلسلہ میں جس کا نام پہلے لیا جائے تو اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں وہ خوبی سب سے زیادہ پائی جاتی ہے۔

آپ کا علمی انہماک

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضؓ نے "کوفہ" کے وقت سے اہل کوفہ کی فقہی اور قرآنی تعلیم کی جانب توجہ فرمائی اور ان کو دینی رنگ میں رنگ دینے کا کام شروع کیا اور سیدنا عمر رضؓ کے دور خلافت کے آخر تک ان اہم کاموں پر اپنی توجہات کو مرکوز رکھا اور یہ خدمت انجام دیتے رہے، حتیٰ کہ کوفہ مفسرین، محدثین، فقہا اور قراء سے بھر گیا۔
معتبر اہل علم نے علماء کی تعداد چار ہزار تک بتلائی ہے۔
کوفہ کی علمی مرجعیت اور مرکزیت کا یہ عالم تھا کہ وقتاً فوقتاً اجلہ صحابہؓ بھی

اپنے قدوم میمنت لزوم سے اس سرزمین کو شرف بخشتے رہے۔
چنانچہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ جب کوفہ منتقل ہوئے، اور کوفہ میں فقہاء و علماء کی کثرت، نیز حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے علمی کارناموں کو بچشم خود دیکھا تو مسرت و حیرت کا اظہار کیے بغیر نہ رہے، فرمایا:

"رحم الله ابن ام عبد قد ملأ هذه القرية علما"

یعنی اللہ تعالیٰ ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے انہوں نے اس قریہ کو علم سے بھر دیا۔ مالامال کر دیا۔

چنانچہ کوفہ اپنے علمی و تعلیمی ماحول کی بنا پر اس قدر مشہور ہوا کہ سارے عالم اسلام میں اس کا چرچا ہونے لگا، قرآن و سنت کے علوم اور کوفہ لازم و ملزوم ہو گئے جتنے فقہاء، محدثین، مفسرین اور قراء کوفہ میں تھے، اس کی نظیر کسی دوسرے اسلامی شہر میں نہ تھی، اس کا فخر صرف کوفہ کو حاصل تھا،

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک بار کعب احبار سے تمام ممالک کے بارے میں دریافت فرمایا۔۔۔۔ کعب نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کرنے کے بعد جو شے جس کے مناسب تھی عطا کر دی، عقل نے اہل عراق (کوفہ) کو پسند کیا، "علم" نے کہا میں تیرے ساتھ ہوں، (معجم البلدان ص۵)

ٹرکی کے مشہور اور عظیم المرتبت عالم علامہ زاہد الکوثری "نصب الراية لتخريج احاديث الهداية" للزیلعی[1] کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں:

فابن مسعود هذا عني بتفقيه اهل الكوفة وتعليم القرآن من سنة بناء الكوفة الى اخر خلافة عثمان رضى الله عنه عناية لا مزيد عليها، الى ان امتلأت الكوفة بالقراء والفقهاء المحدثين بحيث ابلغ بعض ثقات اهل العلم عدد من تفقه

---

[1] علامہ جلال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی رح المتوفی ۷۶۲ھ/۱۳۶۰ء ۱۲

علیہ وعلی اصحابہ نحو اربعۃ آلاف عالم الی ان اصبحت الکوفۃ لا مثیل لہا فی امصار المسلمین فی کثرۃ فقہائہا ومحدثیہا و القائمین بعلوم القرآن وعلوم اللغۃ العربیۃ فیہا بعد ان اتخذھا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ عاصمۃ الخلافۃ، وبعد ان انتقل الیہا اقویاء الصحابۃ وفقہائہم" (ص۳)

تمام بڑے شہروں کے علماء نے اپنے شہر میں آئے ہوئے صحابہؓ کا شمار کیا ہے اور ان کی تعداد کتابوں میں لکھی ہوئی ہے، چنانچہ محمد ابن الربیع الجیزی رحؒ اور علامہ جلال الدین السیوطی رحؒ نے مصر کو رونق بخشنے والے صحابہؓ کی جو تعداد درج کی ہے وہ بمشکل تین سو تک پہنچ سکی ہے۔

اور علامہ العجلی رحؒ نے صرف ان صحابہؓ کرام کی تعداد ڈیڑھ ہزار شمار کرائی ہے، جنہوں نے کوفہ کو اپنا وطن بنالیا تھا، جن میں ستر صحابہؓ بدری تھے،

ان ڈیڑھ ہزار علماء کے علاوہ ایک بڑی تعداد ان حضرات صحابہؓ کی تھی جو کوفہ میں تشریف لائے، کچھ عرصہ قیام فرماکر اشاعت علم کی خدمت انجام دی، پھر وہاں سے دوسرے شہروں میں منتقل ہوگئے،

یہ حال تو عراق کے صرف ایک شہر کوفہ کا تھا، اس کے علاوہ عراق کے اور دوسرے شہروں میں جو صحابہ کرام رضؓ مقیم ہوئے ان کی تعداد الگ ہے۔

نصب الرایہ میں ہے،

"وبین ما تری محمد بن الربیع الجیزی والسیوطی لا یستطیعان ان یذکر من الصحابۃ الذین نزلوا مصر الا نحو ثلاثمائۃ صحابی تجد العجلی یذکر انہ توطن الکوفۃ وحدھا من الصحابۃ نحو الف وخمسمائۃ صحابی، بینہم نحو سبعین بدریًا، سوی من اقام بہا و نشر العلم بین ربوعہا، ثم انتقل الی بلد اٰخر، فضلا عن بلاد العراق (ص ۳۰)

ذیل کے واقعہ سے بھی کوفہ کی علمی اہمیت کا اندازہ ہوگا۔

وہ حضرات جو حضرت عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث کے ہمراہ حجاج بن یوسف ثقفی کے مقابلہ کے لیے (دیر جماجم سنہ ۸۳ھ) نکلے تھے، ان میں قراء کی تعداد چار ہزار تھی، سب کے سب عبدالرحمٰن ابن اشعث کے ساتھ شہید کر دیئے گئے۔ ان میں خیار تابعین اور فقہاء قراء بھی تھے۔ (مقدمہ نصب الرایہ، ص ۴۲، ۴۳)

حضرت ابن مسعودؓ نے قرآن، حدیث اور فقہ کی تعلیم کے لیے کوفہ میں باقاعدہ درسگاہ قائم کی، تلامذہ کی کثرت کا یہ عالم کہ بیک وقت اتنی کثیر تعداد کا صرف فردِ واحد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کی مثال اس عہد میں کہیں اور نہیں ملتی۔

علّامہ نووی لکھتے ہیں: سمع عنہ خلائق لا یحصون من کبار التابعین (تہذیب الاسماء واللغات)

اسرار الانوار میں ہے:۔ کان بن مسعود بالکوفۃ ولہ اربعۃ الاف تلمیذ یتحلبون بین یدیہ"

"کوفہ میں حضرت ابن مسعودؓ کے چار ہزار شاگرد تھے۔"

کسی درسگاہ کی خوبی اور حسن کا اندازہ وہاں کے معلمین و اساتذہ اور تعلیم یافتہ طلباء سے لگایا جا سکتا ہے۔

کسی دارالعلوم کے اساتذہ اپنے فضل و کمال اور تبحر علمی میں بیمثال ہوں تو یہ اس کی عظمت کی دلیل ہے، اسی طرح وہاں کے تعلیم یافتہ طلبہ اگر مضبوط اور ٹھوس استعداد، نیز بہترین علمی صلاحیت کے حامل ہوں تو یہ بھی اس درسگاہ کی عظمت کی دلیل ہے۔

اس اعتبار سے حضرت ابن مسعودؓ کا قائم کردہ دارالعلوم "کوفہ" اپنے حسن تعلیم اور بکثرت جید علماء پیدا کرنے میں اپنی نظیر آپ تھا — معلم تو اس کے خود حضرت ابن مسعودؓ تھے، اس درسگاہ سے تلامذہ بھی ایسے نکلے کہ قیامت تک اہلِ علم ان کے چشمۂ علم سے فیضیاب ہوتے رہیں گے — مؤرخ کبیر ابن جریر طبریؒ[1] رقمطراز ہیں:

---

[1] ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید طبری، آپ کی ولادت ۲۲۴ھ کے آخر میں یا ۲۲۵ھ/۸۳۹ء کے شروع میں طبرستان کے (باقی اگلے صفحہ پر)

اسلام میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی شخص ایسا نہیں گزرا جس کے درس سے ایسے نامور علماء نکلے ہوں آ گے لکھتے ہیں

"لم یکن احد له اصحاب معروفون حرروا فتیاه ومذاهبه فی الفقه غیر ابن مسعود" (نصب الرایہ ص ۳۰)

اور اس طرح وہ پیش گوئی جو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مسعودؓ کے بارے میں آپ کی قبولیتِ اسلام سے پہلے فرمائی تھی کہ "تم ایک زمانہ میں استاذِ زمانہ بنو گے۔" "انك غلام معلم" پورے طور پر صادق وثابت ہوئی "صدق رسول النبی الکریم"۔

مذکورہ سطور سے مدینۃ العلم، کوفہ کی مرکزیت فی الفقہ والحدیث واللغۃ نیز دیگر امصار و بلاد کے مقابلہ میں اس کے امتیاز کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے (مزید تفصیل کے لیے مقدمہ "نصب الرایہ لتخریج احادیث الہدایہ للزیلعیؒ" ملاحظہ فرمائیں۔)

اور رہا فن قرأت اور قرآن ______ تو یہ طغرائے امتیاز اور خصوصیت بہر حال اور بجا طور پر سر زمین کوفہ ہی کو حاصل ہے کہ آئمہ سبعہ فی القراءات میں سے تین ... جلیل القدر امام اسی ارضِ مردم خیز سے اٹھے ہیں۔

۱ امام عاصم کوفیؒ ۲ امام حمزہ زیات کوفیؒ ۳ امام کسائی کوفیؒ

اور سبعہ کے بعد قراءات ثلثہ کے ایک امام خلف بزار بھی کوفی ہیں۔

علامہ شاطبیؒ بھی وجد آفریں انداز میں فرماتے ہیں:۔

وبالکوفة الغراء منهم ثلاثة اذاعوا فقد ضاعت شذاً وقرنفلا

یعنی روشن کوفہ میں ان بدور میں سے تین بدور امام ایسے ہیں جنہوں نے (کوفہ میں علم کو) ظاہر کیا (اور پھیلایا) پس وہ کوفہ عود اور قرنفل (لونگ) کی خوشبو کے اعتبار سے مہک اٹھا۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) دار الخلافہ آمل میں ہوئی اور وفات بغداد میں بزمانہ خلیفہ عباسی المقتدر باللہ ۲۶ شوال ۳۱۰ھ میں ہوئی (معجم البلدان ص۱ ، وطبقات الشافعیہ ج ۲ ص۱۳۵)

بدرِ خامس

امام عاصم کوفیؒ

امام ابوبکر عاصم ابن ابی النجود (ابن بہدلہ) اسدی ہیں، ابوبکر آپ کی کنیت ہے اور نام عاصم ہے۔

امام عاصمؒ تابعی ہیں، آپ کی سند چونکہ عالی اور بلند ہے اس لیے امام سادس حمزہ زیات کوفیؒ، اور امام سابع ابوالحسن کسائی کوفیؒ سے پہلے بیان کیے جاتے ہیں آپ قبیلۂ اسد کے رہنے والے ہیں اس لیے اسدی کہلاتے ہیں آپ بنو خزیمہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔

امام عاصمؒ بڑے فصیح، متقی، فاضل، تجوید دان اور خوش آواز تھے اور اس بارے میں اپنی نظیر آپ ہی تھے قرآن، حدیث، فقہ، نحو اور لغت کے امام اور جلیل القدر تابعی تھے، حضرت حارث ابن حسان رضؓ کی صحبت پائی تھی جبکہ بنی بکر کے وفد کے قاصد بن کر گئے تھے، قرآن نہایت عمدگی کے ساتھ پڑھا کرتے تھے، بڑے عابد تھے، نماز بکثرت پڑھتے تھے، جمعہ کے دن عصر کی نماز تک جامع مسجد ہی میں رہتے تھے، آپ پچاس سال تک کوفہ میں مسند قرأت پر متمکن رہے۔

ملا علی قاری رقمطراز ہیں :-

فالامام ابوبکر عاصم بن ابی النجود کان اماماً فی الکتاب والسنۃ نحویا، نحویاً، فقیہًا تابعیا لحق الحارث بن حسان وافد بنی بکر وکانت له صحبۃ وکان عاصم عابدا کثیر الصلوۃ یلازم الجامع یوم الجمعۃ حتی یصلی العصر وکان فی حسن الصوت غایۃ وفی الفصاحۃ نہایۃ۔

(شرح شاطبیہ ص۱۴)

صالح بن احمد بن حنبل رح کہتے ہیں کہ میں نے امام عاصم رح کے متعلق اپنے والد سے دریافت کیا تو فرمایا "رجل صالح ثقة" میں نے پھر پوچھا کہ آپ کے نزدیک سب سے بہتر قرأت کس کی ہے؟ فرمایا قرأة اهل المدينة، فان لم يكن فقرأة عاصم" اور ایک دوسری روایت میں ہے" قال اهل الكوفة يختارون قراءته وانا اختارها"

حدیث میں بھی امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ کا پایا بلند تھا اور امام تھے، اس سلسلے میں امام احمد بن حنبل رح کی مذکورہ بالا شہادت کافی ہے، نیز امام فی الحدیث حضرت ابو زرعہ اور ایک جماعت نے آپ کی توثیق کی ہے، حافظ ابو شامہ رح ابراز میں فرماتے ہیں:

ابو بكر عاصم بن ابی النجود احد السادة من ائمة القراءة والحديث" ص۲۳

علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں امام عاصم کو "حسن الحدیث" لکھا ہے، علامہ ذہبی معرفۃ القراء میں لکھتے ہیں: "حديثه مخرج فی الكتب الستة"

مسلم ابن عاصم کہتے ہیں: "كان عاصم ذا نسك وادب وفصاحة وصوت حسن" علامہ عجلی کہتے ہیں " امام عاصم صاحب سنت وقرأت، ثقہ اور رئیس القراء تھے" ابو اسحاق سبیعی بار بار کہتے تھے کہ" میں نے عاصم سے بہتر قاری نہیں دیکھا، عاصم سے زیادہ قرآن کا عالم کوئی نہیں۔

امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور راوی ابو بکر شعبہ بن عیاش کہتے ہیں:

دخلت على عاصم وهو فی الموت فاغمی عليه فافاق فقرأ ثُمَّ رُدُّوا إِلَى اللهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ الخ...... یعنی بوقت وفات آیت بالا بار بار پڑھتے تھے، گویا محراب میں قرآن سنا رہے ہیں۔

امام عاصم رح نے ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن حبیب بن ربیع سلمی نابینا سے اور ابو مریم زر بن حبیش اسدی اور ابو عمر بن الیاس شیبانی سے قرآن پڑھا، یہ

تینوں حضرات کوفی ہیں اور بڑے درجہ کے تابعی ہیں، ان تینوں نے سیدنا حضرت عثمان، علی، ابن مسعود، ابی بن کعب اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے اور ان سب حضرات نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا۔

نیز امام عاصمؒ نے سیدنا علی رضؓ، ابی بن کعب، ابن مسعود اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے بھی قرآن پڑھا، اور ان حضرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ——— اس طرح آپ کی قرأت ایک ہی واسطہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے ——— ابوبکر بن مجاہدؒ نے امام عاصمؒ کو ائمہ سبعہ کی ترتیب میں پانچویں نمبر پر رکھا ہے، لیکن واقع یہ ہے کہ: یہ درآبیع امام ابن عامر شامیؒ کی طرح آپ بھی کبار تابعین میں سے ہیں، و بلحاظ شیوخ و طبقات ابن عامرؒ شامی کے بعد آپ سب سے مقدم ہیں۔

آپ کا زمانہ ولادت معلوم نہ ہو سکا لیکن ۱۲۷ھ میں خلافت مروان کے آخر زمانہ میں کوفہ یا سماوا میں جو کہ شام و عراق کے درمیان فرات کے نواحی میں ایک موضع ہے آپ کی وفات ہوئی۔

ملا علی قاریؒ سن وفات کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

"مات بالکوفۃ او السماوۃ وھو موضع بالبادیۃ بین الشام والعراق من ناحیۃ الفرات سنۃ سبع وعشرین ومائۃ (شرح شاطبیہ ص۱۴)

آپ کے بے شمار رواۃ ہیں، جیسے مفضل، حماد اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہم اللہ وغیرہم، لیکن ان میں سے صرف دو راویوں کو بیان کیا جاتا ہے، علامہ شاطبیؒ اپنے قصیدہ میں امام عاصمؒ اور آپ کے دونوں راویوں کے بارے میں فرماتے ہیں: ؎

فاما ابوبکر و عاصم اسمہ   فشعبۃ راویہ المبرز افضلا

وذاک ابن عیاش ابوبکر الرضی

وحفص وبالاتقان کان مفضلا

راوی اول شعبہ ابن عیاش ابن سالم اسدی ہیں، آپ کی کنیت ابوبکر ہے، چونکہ آپ اپنے وقت کے بڑے امام اور عالم تھے، اس لیے آپ کا ذکر پہلے کیا جاتا ہے، آپ کے نام کے بارے میں تیرہ اقوال ہیں۔

ابن سعد نے آپ کا شمار اہلِ کوفہ کے ساتویں طبقہ میں کیا ہے۔

حافظ ابوشامہ لکھتے ہیں ذکرہٗ محمد بن سعید فی الطبقہ السابعة من اهل الکوفة قال وکان من العباد (ابراز ص۲۴)

آپ حافظِ حدیث تھے، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ "ثقہ، صدوق، صالح صاحبِ قرآن اور صاحبِ سنت تھے"۔

خود حضرت شعبہ فرماتے ہیں: "میں نے کبھی کوئی کام خلافِ شریعت نہیں کیا تیس سال سے روزانہ ایک قرآن ختم کرتا ہوں"۔

ابن مبارکؒ کہتے ہیں کہ "میں نے آپ سے زیادہ سنت پر عمل کرنے والا نہیں دیکھا ——— احمسی کہتے ہیں کہ "آپ سے بہتر نماز پڑھنے والا نہیں دیکھا"

ستر سال عبادت میں مصروف رہے، ان میں چالیس سال اور ایک روایت میں پچاس سال آپ کے لیے بستر نہیں بچھایا گیا، اور اس عرصہ میں رات کے وقت زمین سے پیٹھ نہیں لگائی، چوبیس ہزار مرتبہ قرآن ختم کیا اور امام عاصمؒ سے تین مرتبہ قرآن پڑھا، پہلی مرتبہ پانچ پانچ آیتیں پڑھ کر تین سال میں ختم کیا۔

علامہ ابن القاصح عذری بغدادی (متوفی ۸۰۱ھ) رقم طراز ہیں:۔

ھو ابوبکر بن عیاش ابن سالم الکوفی تعلم القرآن من عاصم خمسًا خمسًا کما یتعلم الصبی من المعلم" (سراج القاری ص ۱۵۱)

سخت گرمی اور بارش ہوتی تب بھی سبق کا ناغہ نہیں کرتے تھے، بسا اوقات پانی میں سے گذر کر جانا پڑتا تھا اور پانی کمر تک یا اس سے اوپر آجاتا تھا۔

وفات کے وقت ان کی ہمشیرہ رونے لگیں تو فرمایا "روتی کیوں ہو مکان کے اس گوشہ کی طرف دیکھو، میں نے اس میں اٹھارہ ہزار قرآن مجید ختم کیے ہیں، اور

اپنے لڑکے سے یہ بھی فرمایا کہ بیٹا! اس گوشہ میں اللہ کی نافرمانی ہرگز نہ کرنا۔"

ملا علی قاری لکھتے ہیں :

شعبة بن عیاش الاسدی تعلم من عاصم خمسًا خمسًا کان یاتیه فی الحرّ والقرّ وربما خاض من المطر فبلغ حقوبیه او اکثر، کان عالمًا عاملًا فاضلًا کاملًا، قیل ختم اربعًا وعشرین الف ختمة منها ما روی انه قال لولده یا بنیّ ایاك ان تعصی الله سبحانه فی هذه الغرفة فانی ختمت فیها القرآن ثمانیة عشر الف ختمة، وقیل لم یفرش علی فراش منذ خمسین سنة والیه اشار العلامة الشاطبی" بالرضی" فی قصیدته"

" وذاك بن عیاش ابوبکر الرضی" (شرح شاطبی ص۱۴)

آپ کی ولادت سنہ ۹۴ھ یا سنہ ۹۵ھ میں ہوئی اور جمادی الاولیٰ سنہ ۱۹۳ھ میں کوفہ میں بعمر ۹۸ یا ۹۹ سال وفات پائی۔ ہارون رشید کی بھی بمقام طوس اسی مہینہ اور سن میں وفات ہوئی، صاحب ابراز لکھتے ہیں :

" وتوفی بالکوفة فی جمادی الاولیٰ سنة ثلاث وتسعین ومائة فی الشهر الذی توفی فیه هارون الرشید بطوس" (ابراز المعانی ص۲۴)

راوی دوم

ابوعمرو حفص بن سلیمان اسدی کوفی ہیں۔
آپ امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ کے متبنّٰی لے پالک بیٹے تھے۔

ابوبکر خطیب کہتے ہیں کہ متقدمین قرأت کے بارے میں حفصؒ کو ابوبکر شعبہ سے افضل اور زیادہ قوی الحافظہ سمجھتے تھے، اور آپ نے جو قرأت امام عاصم سے پڑھی تھی اس کے بارے میں آپ کو ضابط اور حافظ کہتے تھے، چنانچہ علامہ شاطبیؒ امام حفص کی شان میں یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں: " وحفص وبالاتقان کان مفضلا"

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں: "حفصؒ قرأت میں ثقہ، ضابط اور ثبت تھے۔"

یحییٰ ابن معین، ابوعمرو ایوب ابن المتوکل سے نقل کرتے ہیں کہ حفص کی قرأت ابوبکر ابن عیاش سے صحیح تر ہے، اور ابوبکر، ابوعمرو (حفص) سے (روایت فی الحدیث میں) زیادہ ثقہ ہیں، علامہ ابن القاصح عذری بغدادی لکھتے ہیں :-

"وھو حفص بن سلیمان الکوفی ویکنٰی اباعمرو ویعرف بحفص قرأ علیٰ عاصم قال بن معین ھو اقرأ من ابی بکر ولھذا قال الشاطبی" وبالاتقان کان مفضلا" یعنی اتقان حرف عاصم رحمہ اللّٰہ" (سراج القاری ص۱۵)

محقق ملا علی قاری رقمطراز ہیں :۔

"والثانی ابوعمر وحفص بن سلیمان الاسدی ربیب عاصمؒ قال ابن معین کان اقرأ والیہ اشارۃ بالاتقان" وقال ابوبکر الخطیب کان المتقدمون یعدونہ فی الحفظ فوق ابی بکر ویصفونہ بضبط الحرف ان حفصا اصح قراءۃ من ابی بکر فھذا معنی قول الشاطبی" وبالاتقان کان مفضلا" یعنی باتقان حرف عاصم لا فی روایۃ الحدیث" (شرح شاطبی ص۱۲۱، وابراز ص۴۲)

امام وکیعؒ نے بھی علامہ ذہبی کی تائید کی ہے اور حفصؒ کو ثقہ قرار دیا ہے، امام حفصؒ نے امام عاصم سے متعدد بار پڑھا ہے اور متعدد شیوخ سے اکتساب فیض کیا ہے، فرماتے ہیں" اللہ خلقکم من ضُعْفٍ" کے ضمہ کے سوا میں نے کسی حرف میں امام عاصم کی مخالفت نہیں کی "۔

اور گو اس وقت دس قرأتیں اور بالکل صحیح امت کے پاس موجود ہیں اور قراءات سبعہ کے خلاف کبھی کسی نے ایک حرف بھی نہیں کہا، اور ان میں سے مکہ اور مدینہ والوں کی قرأت خاص قریشی ہونے کی وجہ سے زیادہ امتیاز رکھتی ہے لیکن اس پر یہ قبولیت خداداد ہے کہ صدیوں سے مکاتب اور مدارس میں امام حفصؒ ہی کی روایت پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے اور ایکہزار حفاظ میں سے نوسو ننانوے کو یہی ایک روایت یاد ہے۔ اور ایسا تو کوئی بھی نہ نکلے گا جسے یہ روایت یاد نہ ہو اور دوسری یاد ہوں حالانکہ نحاۃ کے گمان کے مطابق تو امام عاصمؒ کی قرأت مروج ہونی ہی نہ چاہیے تھی، کیونکہ ہمزات کی تحقیق کی وجہ سے وہ اس پر اعتراض کرتے ہیں: ذالک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء۔

امام حفصؒ سنہ ۹۰ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۸۰ھ میں بعمر ۹۰ سال کوفہ میں وفات پائی۔

بدرِ سادس

امام حمزہ زیاتؒ کوفی

آپ کا نام حمزہ ابن حبیب ابن اسماعیل الزیات ہے اور کنیت ابو عمارہ ہے ، بہ لحاظ قبیلہ آپ تیمی ہیں ، کیونکہ آپ خود یا آپ کے بزرگوں میں سے کوئی قبیلہ تیم کے آزاد کردہ غلام تھے ، اور فارس کے قیدیوں کی اولاد میں سے تھے آپ حد درجہ کے زاہد ، پاکیزہ اور پرہیزگار تھے ۔

ابن معین کہتے ہیں کہ عبادت زہد ، فضل ، دین اور تقویٰ میں بہترین بندوں میں سے تھے ۔ ابن فضل کہتے ہیں کہ حمزہ کے باعث کوفہ سے بلا دُور ہوتی تھی ۔

آپ کے شیخ اعمش (سلیمان ابن مہران الاسدی آپ علم حدیث اور قرأت کی مشہور شخصیات میں سے ہیں ، اکثر کوفیین کا مدار آپ پر ہے ، ایک خلق کثیر نے آپ سے روایت حدیث کیا ہے ، ۱۴۸ھ میں آپ کی وفات ہوئی الکمال) آپ کو دیکھ کر فرماتے کہ یہ حبر قرآن یعنی قرآن کے عالم ہیں اور آیت "وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ" (سورۃ الحج آیت ۳۵) پڑھتے ۔

امام حمزہؒ خود فرماتے ہیں کہ میں نے کتاب اللہ کا ایک حرف بھی نقل کیے بغیر نہیں پڑھا ۔

علامہ شاطبیؒ آپ کی شانِ عالی میں فرماتے ہیں :

وحمزۃ ما ازکاہ من متورع　　اماماً صبوراً للقراٰن مرتلا

یعنی حمزہ کس قدر پاکیزہ ہیں ، پرہیزگار ، امام ، بہت صابر ، قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھنے والا ہونے کے اعتبار سے ۔

امام حمزہ بے حد صابر تھے، پڑھانے پر تنخواہ نہیں لیتے تھے، حتیٰ کہ گرمی کے دنوں میں بھی تلامذہ اور شاگردوں کے ہاتھ سے پانی پینا گوارہ نہ تھا۔

جریر ابن عبدالحمید فرماتے ہیں کہ شدید گرمی کے دن امام حمزہ کا ہمارے پاس سے گذر ہوا، میں نے پینے کے لیے پانی پیش کیا مگر آپ نے اس لیے قبول نہ کیا کہ آپ سے قرآن پڑھ رہا تھا، چنانچہ علامہ شاطبی نے مذکورہ بالا شعر کے لفظ "متورعاً" میں انہیں دونوں صفتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

"تَوَرَّع" کے معنی ہیں پرہیز کرنا، شبہات سے بچنا، گناہ میں پڑ جانے کے اندیشہ سے مباح چیز کو ترک کر دینا ـــــ پس حرام میں مبتلا ہو جانے کے خوف و اندیشہ سے مباح کو چھوڑ دینا صلاح و نیک کرداری ہے، ورع نہیں ہے۔

شعیب ابن حرب کہتے ہیں کہ میں کوفہ میں پہنچا تو امام سفیان ثوری اور شریک ابن عبداللہ کو دیکھا کہ امام حمزہؒ کے پاس بیٹھے پڑھ رہے ہیں، میں نے اپنے جی میں کہا کاش! ان کے ساتھ تیسرا میں بھی ہوتا۔

امام حمزہؒ خود فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے ایک ہزار احادیث سند کے ساتھ روایت کی ہیں، علامہ شاطبیؒ نے ان دونوں صفتوں کی طرف لفظ "امَامًا" میں اشارہ کیا ہے۔

آپ کی عادت یہ تھی کہ آپ پڑھانے کے بعد چار رکعتیں پڑھتے تھے، نیز ظہر وعصر اور مغرب وعشا کے درمیان بھی نماز پڑھتے تھے، اور رات کا اکثر حصہ بیدار رہ کر گزارتے تھے۔ شاطبیؒ نے اس کی طرف لفظ "صَبُورًا" میں اشارہ کیا ہے۔

لوگوں کا بیان ہے کہ آپ کو جس وقت بھی کوئی دیکھتا پڑھانے ہی ہوتے تھے۔

نیز روایت ہے کہ ہر ماہ اٹھائیس یا ستائیس یا پچیس قرآن "ترتیل" کے ساتھ ختم کرتے تھے۔ اس کی طرف علامہ شاطبیؒ نے لفظ "مُرَتِّلًا" میں اشارہ کیا ہے۔

ترتیل ترتیل کے معنی ہیں مخارج وصفات (جملہ صفات لازمہ وعارضہ) کی رعایت رکھتے ہوئے حروف کو خوبصورتی کے ساتھ ادا کرنا اور ہمزات کو تحقیق (قوت وسختی) کے ساتھ پڑھنا اور مدات وحرکات وسکنات اور تشدید وغنّہ کو پورے طور پر ادا کرنا اور اس کا بھی لحاظ رکھنا کہ اعتدال کی حد سے باہر نہ ہو جائے۔

امام حمزہؒ فرماتے ہیں،

"ما فوق الجعودة قطط ، وما فوق البیاض برصٌ وما فوق القراءة المعتدلة لیس بالقراءة المکملة" یعنی زلفوں میں معمولی سے زیادہ خم وپیچ پیدا ہو جائے تو وہ "قطط" یعنی الجھے ہوئے بال کہلاتے ہیں، اور پسندیدہ نہیں رہتے اور سفیدی حد سے بڑھ کر برص بن جاتی ہے، اسی طرح جو قرأت مدات اور غنہ جات کی مقدار میں حدِ اعتدال سے باہر ہو جائے تو وہ کامل قرأت نہیں بلکہ ناقص اور لحن ہے۔

یہاں سے ان لوگوں کو سبق حاصل کرنا چاہیے جو لہجہ کو مزیدار اور خوشگوار بنانے کے شوق میں مست ہو کر غنّہ اور اخفا اور القاف کو حد سے زیادہ بڑھانے چلے جاتے ہیں، اور جا بجا سکتہ کرتے ہیں اور بلاوجہ اپنے اوپر مشقت ڈالتے ہیں، ایسے لوگوں کو چند کلمات پڑھنے کے بعد جگہ جگہ سانس بھی لینا پڑتا ہے جس سے تلاوت کا حسن بالکل جاتا رہتا ہے، ایسے حضرات ایک مجلس میں ایک دو رکوع سے زیادہ نہیں پڑھ سکتے۔

ایسے خود ساختہ تکلفات کے باعث ہم نے کلام الٰہی کی تلاوت کو ایک پہاڑ بنا لیا ہے، نیز قرآن کو اپنی تفریح کا سامان بنا لیا ہے، اور سننے والوں کا مذاق بھی اس قدر بگڑ گیا ہے کہ وہ بھی ایسی ہی تلاوت کو پسند کرتے ہیں۔

اللہ کی کلام کو اسی کے خوش کرنے کی نیت سے حتی الامکان عمدہ سے عمدہ لہجوں میں آواز کو نفیس اور خوب صورت بنانے کی کوشش کرتے ہوئے پڑھنا چاہیے۔

احادیث وروایات میں خوش آوازی سے پڑھنے کی ترغیب آئی ہے، چنانچہ ارشاد ہے: "زَیِّنُوا القرآن بِاَصْوَاتِکُمْ" "لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَتَغَنَّ بِالقرآن" (رواھما ابوداؤد) نیز وارد ہے: "اقرؤ القرآن بلحون العرب" (رواہ النسائی)

یعنی قرآن کو اپنی آوازوں سے زینت دو"۔ "جو شخص قرآن کو تحسین صوت سے نہ پڑھے وہ ہمارے طریق پر نہیں"۔ "قرآن کو عربی لہجوں سے پڑھو"۔

الحان وانغام قرآن پاک کے الحان وانغام کے ساتھ پڑھنے میں اختلاف ہے بعض حرام، بعض مکروہ، بعض مباح اور بعض مستحب کہتے ہیں، پھر اطلاق وتقیید میں بھی اختلاف ہے، مگر قول محقق ومعتبر یہ ہے کہ اگر قواعدِ موسیقیہ کا لحاظ کرنے سے قواعدِ تجوید کا خلاف ہو رہا ہو تب تو مکروہ یا حرام ہے ورنہ مباح یا مستحب ہے اور مطلقاً تحسین صوت سے پڑھنا مع رعایت قواعد تجوید مستحب اور مستحسن ہے، جیسا کہ اہلِ عرب عموماً خوش آوازی سے اور بلا تکلف بلا رعایت قواعد موسیقیہ سے پڑھتے ہیں، اور یہ خوش آوازی ان کی طبعی اور جبلّی ہے، چنانچہ اسی واسطے ہر ایک کا لہجہ الگ الگ اور ایک دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے، ہر ایک اپنے لہجہ کو ہر وقت پڑھ سکتا ہے، بخلاف انغام کے کہ ان کے اوقات مقرر ہیں کہ دوسرے وقت میں نہیں بنتے اور نہ ہی اچھے معلوم ہوتے ہیں۔

پس معلوم ہوگیا کہ لہجہ اور نغم میں کیا فرق ہے۔

طرزِ طبعی کو لہجہ کہتے ہیں بخلاف نغم کے کہ انغام کہتے ہیں کہ تحسین صوت کے واسطے جو خاص قواعد مقرر کیے گئے ہیں، ان کا لحاظ کرکے پڑھنا، یعنی گھٹاتا کہیں بڑھانا، کہیں جلدی کرتا، کہیں نہیں، کہیں آواز کو بلند کرتا کہیں پست کرتا، کسی کلمہ کو سختی سے ادا کرتا، کسی کو نرمی سے، کہیں روتے کی سی آواز نکالنا وغیرہ وغیرہ۔

البتہ جو اس فن کے ماہر ہیں وہ بتاتے ہیں کہ اس میں کوئی آواز خالی نہیں ہوتی۔ موسیقی کا کوئی نہ کوئی قاعدہ ضرور پایا جائے گا، خصوصاً حبِ اللسان ذوق وشوق

میں کوئی چیز پڑھے گا، باوجودیکہ وہ اس فن سے بالکل واقف نہ ہوگا، مگر کوئی نہ کوئی نغم سرزد ہوگا، اسی واسطے بعض محتاط لوگوں نے اس طرح پڑھنا شروع کیا کہ برائے نام بھی تحسین صوت نہ ہو کیونکہ تحسین صوت کو نغم لازم ہے اور بعض اہل احتیاط اہل عرب کو کہتے ہیں کہ وہ لوگ تو گا کے پڑھتے ہیں، حالانکہ یہ تحسین کسی طرح ممنوع نہیں اور نہ ہی اس سے مفر ہے۔

خلاصہ اور ماحصل یہ ہے کہ قرآن پاک کو تجوید سے پڑھے اور فی الجملہ خوش آوازی سے پڑھے، نیز قواعد موسیقیہ کا لحاظ نہ کرے اور صحت حروف کے ساتھ صحت معانی کا خیال کرے، اگر معنی نہ جانتا ہو تو کم از کم اتنا تو ضرور خیال کرے کہ مالک الملک عزوجل کا کلام پڑھ رہا ہوں اور وہ سن رہا ہے (فوائد مکیہ) مزید تفصیلات... نہایت القول المفید مطبوعہ مصر ۱۳۴۸ھ از علامہ شیخ محمد مکی، میں ملاحظہ فرمائیے!

ایک مرتبہ امام حمزہؒ نے خواب میں دیکھا کہ حق سبحانہ وتعالےٰ نے آپ کو مرحبا فرمایا اور آپ کے لیے کرسی بچھائی اور تعظیم کی اور حکم فرمایا کہ قرآن کی تلاوت کرو اور ترتیل کے ذریعہ اس کو خوب روشن اور ظاہر کرکے پڑھو، چند موقعوں میں آپ نے جس طرح پڑھا تھا حق سبحانہٗ وتعالےٰ نے اس کے علاوہ دوسری طرح بتایا، انہیں میں سے "وَاَنَا اخترتکَ" بھی ہے جس کو آپ نے "وَاَنَّا اخترنٰکَ" پڑھا تھا۔ (امام حمزہ کی قرأت بھی اسی طرح پر ہے اور اس کی بنیاد محض خواب نہیں بلکہ سند متواتر ہے) اور "تنزیلِ العزیز" (یٰسٓ ع ۱) بھی ہے جس کو آپ نے رفع سے پڑھا۔ اور اللہ تعالےٰ نے نصب سے پڑھنے کا حکم دیا۔

امام حمزہؒ علم قرأت کے علاوہ علم فرائض (میراث) میں بھی بہت ماہر تھے۔ چنانچہ اسی وجہ سے آپ کو "فرضی" بھی کہا جاتا ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ نے موصوف سے فرمایا کہ بلاشبہ آپ دو چیزوں میں ہم پر فائق اور غالب ہیں، ان میں ہم آپ کی برابری نہیں کرسکتے۔ ایک علم قرأت اور دوسرا علم فرائض۔

ملّا علی قاری رقمطراز ہیں:

وھو ابو عمارۃ حمزۃ بن حبیب الزیات الکوفی الفرضی، قال ابوحنیفۃ لہ شیئان غلبتنا فیھما لسنا ننازعک علیھما، القراءۃ و الفرائض، قیل ھی من سبی الفرس من تبع التابعین انتھت علیہ القرأۃ بعد عاصم وقدمہ علی الکسائی لانہ شیخہ، کان لا یأخذ اجرًا علی الاقراء وامتنع حین عرض علیہ الماء تلمیذ لہٗ فی یوم حرٍّ وقال شعیب بن حرب دخلت الکوفۃ فرأیت سفیان الثوری وشریک بن عبد اللہ قاعدین قدام حمزۃ یقرأن فقلت فی نفسی اکون الثالث، وقال حمزۃ رویت الف حدیث باسنادہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکان یصلی بعد الاقراء اربع رکعاتٍ ویصلی بین الظھر والعصر و بین المغرب والعشاءِ وکان یقوم اکثر اللیل، قیل ما رویٰ قط الا وھو یقرأ وروی انہ کان یختم کل شھر خمسًا وسبعًا او ثمانیۃ و عشرین ختمۃ۔" (شرح شاطبیہ ص۱۵)

حافظ ابوشامہ فرماتے ہیں:

ابوعمارۃ حمزۃ بن حبیب الزیات رح من رجال صحیح مسلم و ھو امام اھل الکوفۃ بعد عاصم قرأ علیہ جماعۃ من ائمۃ اھل الکوفۃ واثنوا علیہ فی زھدہ وورعہ، منھم سفیان الثوری، وشریک ابن عبد اللہ وشعیب بن حرب، وعلی ابن صالح، وجریر بن عبد الحمید ووکیع وغیرھم ولم یوصف احد من السبعۃ القرّاء بما وصف بہ حمزۃ من الزھد والتحرز عن اخذ الاجر علی القرأن حتی ان جریر بن عبد الحمید قال مرّ بی حمزۃ الزیات فی یوم شدید الحر فعرضت علیہ الماء یشرب فابی لانی کنت علیہ اقرأ علیہ القرأن" (ابراز ص۶)

امام حمزہ رح کا ذریعہ معاش یہ تھا کہ کوفہ سے زیتون لے جا کر حلوان میں، اور وہاں سے پنیر اور اخروٹ لاکر کوفہ میں فروخت کیا کرتے تھے۔

امام حمزہ رح کو امام (بدر سابع) کسائی رح سے پہلے اس لیے بیان کیا جاتا ہے کہ یہ امام کسائی رح کے شیخ ہیں اور امام عاصم اور اعمش کے بعد کوفہ میں آپ ہی سب سے بڑے امام القراء تھے، آپ نے آٹھ جید شیوخ سے پڑھا، یہ آٹھوں بھی بالواسطہ حضرت عثمان، علی، ابن مسعود، زید اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں۔

ان آٹھ میں سے قاضی عبدالرحمٰن[۵۷]، ابن ابی لیلیٰ انصاری، امام جعفر صادق اور ابو محمد سلیمان بن مہران اعمش ہیں، اعمش نے ابو محمد یحییٰ بن وثاب اسدی سے اور یحییٰ نے ابو شبل علقمہ بن قیس النخعی سے اور علقمہ نے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور ابن مسعود رض نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا۔

اس طرح امام حمزہ رح کی قرأت چار واسطوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔

آپ کی ولادت بزمانہ عبدالملک ۸۰ھ میں ہوئی اور ۱۵۶ھ میں بعمر چھہتر سال بزمانہ منصور یا مہدی حلوان میں وفات پائی، وفات کے متعلق ۱۵۴ھ و ۱۵۸ھ کے اقوال بھی ہیں۔

امام حمزہ کے بھی بہت سے رواۃ ہیں جیسے علیسی، ضبی عجلی، ابراہیم بن ادہم سفیان ثوری اور کسائی وغیرہم لیکن ان میں صرف دو راویوں کی روایتیں بہت مشہور ہیں اور اس وقت روئے زمین پر وہی پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں، یہ دونوں رواۃ بواسطہ سلیم، امام حمزہ رح کی قرأت نقل کرتے ہیں۔

---

[۵۷] قاضی ابن ابی لیلیٰ نے منہال بن عمر سے، منہال نے حضرت سعید بن جبیر رض سے انہوں نے حضرت ابن عباس رض سے انہوں نے حضرت ابی بن کعب رض سے، ابی بن کعب رض نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا۔

ابو عیسیٰ سلیم امام حمزہؒ زیات کوفی کے تلامذہ میں ابو عیسیٰ سُلیم بن عیسیٰ حنفی خاص جلالت کے مالک تھے اور سب سے زیادہ ضابط تھے، زہد و تقویٰ میں شیخ کے پیرو اور شاگردوں میں سب سے زیادہ شیخ کے مماثل تھے سُلیم جب آتے تھے تو امام حمزہؒ اپنے شاگردوں سے فرماتے تھے، کہ مؤدب اور ہوشیار ہو کر اور جم کر بیٹھ جاؤ، سُلیم آگئے ہیں، سلیم کہتے ہیں کہ میں نے امام حمزہؒ سے دس مرتبہ قرآن پڑھا اور کسی جگہ حمزہؒ کی قرأت کے خلاف نہیں کیا، آپ نے ابو شامہ دانیؒ اور علامہ جزریؒ کے قول پر ۱۸۸ھ یا ۱۸۹ھ میں اور ملا علی قاریؒ کے قول پر پورے ۲۰۰ھ میں بعمر ۷۰ یا ۸۳ سال کوفہ میں وفات پائی، ملا علی قاریؒ آپ کے بارے میں رقمطراز ہیں:

ابو عیسی سلیم بن عیسی الکوفی مولی بنی حنیفة هو امثل اصحاب حمزة وکان اذا قیل یقول حمزة لاصحابه تحفظوا و تثبتوا فقد جاء سلیم، قال سلیم قرأت القرآن علی حمزة عشر مرات ولم یخالف سلیم حمزة شیئ من قراءته وکان من اضبط اصحابه مات ستة مأتین" (ملا علی قاری ص۱۵)

راوی اوّل ابو محمد خلف بن ہشام البزار (بالراء) ہیں۔

نام خلف ہے اور کنیت ابو محمد ہے، آپ نے دس سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور تیرھویں سال سماعت حدیث شروع کی، خود فرماتے ہیں مجھے عربیت میں ایک مشکل پیش آئی تو میں نے اس کے لیے اسی ہزار ۸۰۰۰۰ درہم خرچ کیے، حتیٰ کہ اسے حل کر لیا۔

صاحب نشر فرماتے ہیں: آپ بہت بڑے امام، عالم، ثقہ، زاہد، صاحب سنت اور بہت عبادت گزار تھے۔

آپ سُلیم کے ممتاز شاگردوں میں سے تھے، ان کے علاوہ اور بھی متعدد شیوخ سے پڑھا، آپ کے ثقہ اور صدوق ہونے ہی کی وجہ سے امام مسلمؒ اپنی صحیح میں

اور امام ابو داؤد اپنی مسند میں اور ان کے علاوہ دیگر حضرات علماء ان سے حدیث روایت کرتے ہیں، آپ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔

علامہ ابو عمر دانی رحمہ فرماتے ہیں کہ:

"آپ نے امام نافع کی قرأت اسحاق مسیبی سے اور امام عاصم کی قرأت یحیٰی سے پڑھی اور خود بھی دسویں قرأت اختیار کی"

آپ کے بھی دو راوی مشہور ہیں، اسحاق وراق اور ادریس حداد، یہی خلف قراءات عشرہ میں امام بھی ہیں۔ اور وراق وحداد عشرہ ہی کے راوی ہیں۔

آپ کی ولادت سنہ ۱۵۰ھ میں اور وفات جمادی الآخرہ ۲۲۰ھ میں بزمانہ روپوشی بغداد میں ہوئی، ۲۲۸ھ اور ۲۲۹ھ کے اقوال بھی ہیں، ملا علی قاری لکھتے ہیں۔

"قال الاول ابومحمد خلف وقدمه لمقام اختیاره، مات ببغداد سنة تسع وعشرين ومأتين وحفظ القرآن وعمره عشر سنين (ص ۱۵)

راوی دوم ابو عیسیٰ خلاد بن خالد صیرفی ہیں، ابو عیسیٰ آپ کی کنیت ہے، آپ اپنے نام خلاد سے مشہور ہیں، والد کے نام میں اختلاف ہے۔ خالد، خلید، عیسیٰ صیرفی ــــ آپ امام وقت، ثقہ، محقق، مجود اور قوی الحافظہ تھے، نیز آپ کے ثقہ ہونے کی وجہ سے ترمذی اور ابن خزیمہ کی صحیح میں آپ سے ایک ایک روایت منقول ہے، علامہ دانی اندلسی فرماتے ہیں کہ:

امام خلاد سُلیم کے شاگردوں میں سب سے زیادہ ضابط اور جلیل تھے۔

آپ کا زمانہ ولادت معلوم نہیں مگر وفات بمقام کوفہ سنہ ۲۲۰ھ میں واقع ہوئی ہے ــ حافظ ابو شامہ لکھتے ہیں:

"واما خلاد فهو ابوعيسى ويقال ــ عبد الله خلاد بن خالد الاحول الصيرفي الكوفي ويقال خلاد بن خليد ويقال ابن عيسى توفي سنة عشرين او ثلاثين ومأتين" (ابراز ص ۴۴)

علامہ شاطبیؒ امام حمزہؒ کے رواۃ کے بارے میں فرماتے ہیں، ے

روی خلف عنه وخلاد ن الذی رواه سُلیم متقنا و محصّلا

یعنی خلف وخلاد نے بواسطہ سُلیم حمزہؒ سے روایت کیا ہے جس کو سُلیم نے خود حمزہؒ سے نقل و روایت کیا ہے۔

بدرِ سابع

ابو الحسن علی کسائی کوفی

ساتویں قاری ابو الحسن علی بن حمزہ ابن قیس (بہمن) بن فیروز اسدی، نحوی کوفی کسائی ہیں۔

آپ کا نام علی ہے اور کنیت ابو الحسن ہے، کسائی کے لقب سے مشہور ہیں کسائی کے لقب کے سلسلے میں اختلاف ہے اس کی وجہ میں ۴ اقوال آتے ہیں۔

(۱) جوانی میں آپ کِسا (کمبل) کی تجارت کرتے تھے۔

(۲) آپ الکسایا نام کے قریہ میں سے تھے۔

(۳) آپ نے حج کے لیے کِسا یعنی کمبل کا احرام باندھا تھا۔

(۴) امام حمزہ رح (بدرِ سادس) کی مجلس میں کِسا اوڑھ کر بیٹھتے تھے، امام حمزہؒ فرمایا کرتے تھے کہ اس کمبل والے کو میرے پاس لاؤ، امام اہوازی کہتے ہیں کہ میرے نزدیک اشبہ بالصواب یہی ہے، علامہ شاطبیؒ نے قول رابع کو اپنے قصیدے میں لیا ہے، فرماتے ہیں ؎

واما علیّ فالکسائی نعتہ لما کان فی الاحرام فیہ تسربلا

حافظ ابو شامہ لکھتے ہیں:

لکونہ تسربل الکسائی فی وقت احرامہ بنسک الحج او العمرۃ

وقیل سمی الکسائی لانہ کان فی حداثتہ یبیع الاکسیۃ وقیل لکونہ من قریۃ من قری السواد یقال لہا باکسایا وقیل کان یتشح بکساء ویجلس فی مجلس حمزۃ فکان حمزۃ یقول اعرضوا علی صاحب الکسائی، قال الاھوازی وھذا القول اشبہ بالصواب عندی" (ابراز ص ۲۴، ۲۵)

امام کسائی بنی اسد کے آزاد کردہ غلام تھے اس لیے اسدی کہلاتے تھے، آپ اصلاً فارسی تھے، تبع تابعین میں سے تھے، ابوبکر بن انباری (م ۳۲۸ھ) فرماتے ہیں :-

"آپ پر نحو اور لغت کی امامت اور قرار کا طبقہ دونوں چیزیں منتہی ہوتی ہیں۔ آپ کے پاس تلامذہ اور پڑھنے والوں کا مجمع اس قدر ہوتا تھا کہ آپ کو فہ کے منبر پر بیٹھ کر پڑھاتے تھے، آپ پڑھتے جاتے تھے اور شاگرد مصاحف میں قرأتیں لکھتے جاتے تھے۔

آپ نے امام حمزہؒ سے چار مرتبہ قرآن پڑھا اور عیسیٰ بن عمر اور طلحہ بن مصرف سے بھی پڑھا، ان دونوں حضرات نے ابراہیم نخعیؒ سے اور انہوں نے علقمہ بن قیس سے، علقمہ نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا۔ اس طرح امام کسائی رحمہ اللہ کی قرأت بھی چار واسطوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔

آپ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ امام محمد بن حسن شیبانی (و ۱۳۲ھ م ۱۸۹ھ) کے خالہ زاد بھائی ہیں۔

امام کسائیؒ نے پہلے امام نحو خلیل ابن احمد نحوی سے نحو پڑھی، پھر ان کی تحریک پر نجد و تہامہ جا کر اعراب میں رہے اور عربیت کا اتنا ذخیرہ جمع کیا جس کے لکھنے میں سیاہی کے پندرہ شیشے صرف ہوئے، واپسی پر بغداد میں قیام کر کے پہلے ہارون الرشید کو پھر اس کے بیٹے امین کو پڑھایا۔ بڑے بڑے ائمہ آپ کے شاگرد ہیں۔

امام ابن معینؒ فرماتے ہیں: "میں نے اپنی آنکھوں سے امام کسائی سے زیادہ

عمدہ پڑھنے والا نہیں دیکھا، علامہ دانی فرماتے ہیں کہ امام کسائی کی قرأت کا ماخذ اور سرچشمہ امام حمزہؒ کی قرأت ہے (اور آپ کی سند ماقبل میں بیان ہو چکی ہے) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں :-

وھو من تابع التابعین وانتھت علیہ طبقۃ القراء واللغۃ والنحو وکان الازدحام الناس فی خدمتہ وملازمتہ بیقرأ علی منبر الکوفۃ فتضبط مصاحف بقراءتہ ویؤخذ الالفاظ من روایتہ قرأ علی حمزۃ اربع مرات (ص ۱۵)

علامہ ابوشامہ رقمطراز ہیں :

"السابع ابوالحسن علی بن حمزۃ الکسائی امام نحاۃ الکوفۃ عنہ اخذ القراء وغیرہ وانتھت الیہ الریاسۃ فی القراءۃ بعد حمزۃ وبلغ عند ھارون الرشید منزلۃ عظیمۃ وکان الناس یاخذون عنہ الفاظہ بقراءتہ علیھم وینقطون مصاحفھم بقراءتہ و قال الامام الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ من اراد ان یبحر فی النحو فھو عیال علی الکسائی وقال اسماعیل ابن جعفر المدنی وھو من کبار اصحاب نافعؒ مارأیت اقرأ لکتاب اللہ من الکسائی وروی رحمہ اللہ فی المنام فقیل لہ ما فعل اللہ بک قال غفر لی، وفی روایۃ رحمنی ربی بالقرآن وفی روایۃ الی ماذا صرت قال الی الجنۃ، قیل لہ ما فعل حمزۃ الزیات وسفیان الثوری قال فوقنا ما نراھم الا کالکواکب الدری،

وفی اخری قال غفر لی واکرمنی وجمع بینی وبین النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال علی بن حمزۃ الکسائی؟

فقلت نعم، فقال اقرأ فقرأت " والصّٰٓفّٰتِ صَفًّا حتّٰی بلغت شھابٌ ثاقبٌ "، فقال لی لأباھین بک الامم یوم القیامۃ۔ (ابرازالمعانی ص۱۱)

"معانی القرآن" "کتاب النحو" کتاب "نوادر کبیر" آپ کی تصانیف ہیں۔

سیبویہ سے مناظرے ہوتے تھے، یزیدی سے آپ کی اکثر ہمنشینی رہتی تھی،
آپ کی حیات و وفات کے بارے میں ملا علی قاری رقم طراز ہیں:

عاش سبعین سنة وھو ابن خالة الامام محمد بن الحسن و مات فی قریة من الری صحبة الرشید سنة تسع وثمانین ومائة وبھا دفن محمد بن الحسن صاحب ابی حنیفة قال الرشید عنھما ھنا دفنا العلم والقرأن" (ص ۱۵،۱۶)

امام کسائی رح امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے خالہ زاد بھائی تھے، امام محمد رح اور امام کسائی دونوں کے سنین وفات ایک ہیں، چنانچہ ہارون الرشید نے کہا تھا کہ ہم نے قرآن اور علم فقہ دونوں چیزوں کو یہاں دفن کیا ہے، امام کسائی رح کی عمر ستر سال ہے آپ نے علاقہ رَے کے ایک قریہ رنبویہ میں ہارون الرشید کے ساتھ خراسان جاتے ہوئے ۱۸۹ھ میں وفات پائی، امام محمد رح بھی وہیں مدفون ہیں۔

امام کسائی کے بھی دو راوی ہیں:

راوی اوّل ابو الحارث لیث بن خالد مروزی ہیں۔
آپ ثقہ، ضابط، صالح محقق اور قرارت کے ماہر تھے اور امام کسائی رح کے بزرگ ترین تلامذہ میں سے ہیں۔

آپ نے یحیٰی ابن مبارک یزیدی سے، یزیدی نے ابو عمرو سے، انہوں نے حسن سے اور حسن نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے:

"القرأن غِنًی لا فقر بعدہ ولا غِنًی دونہٗ"

ملا علی رقمطراز ہیں:

ھو بن خالد المروزی البغدادی حدث عن یحیی بن المبارک الیزیدی عن ابی عمرو عن الحسن عن انس رض ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: "القرأن غنًی لا فقر بعدہ ولا غِنًی دونہٗ مات سنة اربعین ومائتین" (ص۱۶)

ابوالحارث کی وفات بغداد میں ۲۴۰ھ میں ہوئی۔

راوی دوم

امام کسائی کے دوسرے راوی حفص ہیں، جن کو دوری کہتے ہیں اور یہ دوری وہی ہیں جن کا ذکر بدرِ ثالث امام ابوعمرو بصری رحمۃ اللہ علیہ کے راویوں میں گذر چکا ہے، دوری ابوعمرو بصری کے بھی راوی ہیں، اور ابوالحسن کسائی رح کے بھی، آپ کے تفصیلی حالات وہاں پر دیکھیے!

حفص دو راویوں کا نام ہے۔

(۱) حفص فاضری، جو امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ کے راوی ہیں۔

(۲) حفص دوری جو امام ابوعمرو بصریؒ اور امام کسائیؒ رحمہما اللہ دونوں کے راوی ہیں۔

جب حفص بلا قید ہوں تو اس سے امام عاصم رح کے راوی مراد ہوتے ہیں، کیونکہ یہ بہ نسبت دوری کے مشہور تر ہیں، اور دوری بلا قید (علی) آئیں تو امام ابوعمرو بصریؒ کے راوی مراد ہوں گے، نہ کہ امام کسائی کے۔

قراء سبعہ کی اور ان کے رواۃ کی یہ ترتیب جو بیان ہوئی، ابوبکر بن مجاہد رح کے بیان کے مطابق ہے، ورنہ بہ لحاظ شیوخ وطبقات، ترتیب اس طرح پر ہے۔

(۱) امام ابن عامر شامیؒ تابعی (ایک واسطہ)

(۲) امام عاصم کوفی تابعی (ایک واسطہ)

(۳) امام ابن کثیر مکی تابعیؒ (۲ واسطہ)

(۴) امام نافع مدنی تابعیؒ (۳ واسطہ)

(۵) امام ابوعمرو بصری رح (۳ واسطہ) (۶) امام حمزہؒ زیات کوفی (۴ واسطہ)

(۷) امام ابوالحسن علی کسائی کوفی رح (۴ واسطہ)

نیز یہ کہ ابن مجاہد اور علامہ دانی رح وغیرہ نے قنبل (مکی کے راوی) کو بزی سے ابن ذکوان (شامی کے راوی) کو ہشام سے اور دوری علی (کسائی کے راوی) کو ابوالحارث سے پہلے بیان کیا ہے، باقی میں موافق ہیں۔

ابن مجاہد اور شاطبیؒ کی پیروی میں چوتھی اور چھٹی صدی سے اکثر مصنفین

اور اہل ادا اسی ترتیب پر عمل پیرا رہے ہیں، لیکن یہ ترتیب نہ واجب ہے نہ مسنون، قاری جس کو چاہے مقدم مؤخر کر سکتا ہے، مگر جمع پڑھتے ہوئے کسی ایک ترتیب پر رہنا چاہیے تاکہ غلطی نہ ہو اور مناسب یہ ہے کہ اسی مذکورہ ترتیب پر رہے۔ ایجاد کی ضرورت نہیں۔

قرار سبعہ اور ان کے رواۃ کے جو حالات اوپر بیان ہوئے ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان بزرگوں نے پچھتر ۷۵ سال سے لے کر سنو ۹۰ سال تک کی عمریں پائیں اور ہر ایک نے قرآن مجید کی خدمت میں پچاس سال سے لے کر ستر ۷۰ سال تک صرف کیے۔

تذکروں اور طبقات سے معلوم ہوتا ہے کہ روزانہ بے شمار طلبہ درس میں شریک ہوتے تھے ـــــ حضرت امام نافع مدنیؒ تہجد سے لے کر عشاء تک برابر پڑھاتے تھے۔ ہر شخص کیلیے تیس آیتوں کا وقت مقرر تھا، بڑی مشکل سے سیدنا ورشؒ کو تہجد کے بعد زیادہ وقت ملا تھا۔

امام ابوعمرو بصریؒ کے گرد طلبہ کا اجتماع اور ازدحام دیکھ کر سیدنا حضرت حسن بصریؒ نے خوشی کا اظہار کیا کہ قرآن مجید کی صحتِ لفظی کے لیے کس قدر ذوقِ صحیح کا مظاہرہ ہو رہا ہے اور تعجب سے فرمایا کہ علماء بھی ارباب ہو گئے،

حضرت امام عاصمؒ کوفی سے پڑھنے کا موقع مشکل سے ملتا تھا۔

امام کسائی کوفیؒ کے گرد کثرتِ طلبہ کی یہ حالت تھی کہ پڑھانا مشکل ہو گیا تھا، حتیٰ کہ طلبہ کی کثرت کی بنا پر دُور بیٹھنے والوں کو شکل دیکھنی بھی دشوار تھی، تو آپ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ خود منبر پر بیٹھ کر پڑھتے تھے اور طالبانِ علم آپ سے سنکر قرأت حاصل کرتے تھے۔ دوسرے ائمہ کا بھی یہی حال تھا۔

اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کتنی مخلوق نے ان بزرگوں سے کسبِ فیض کیا اور ان کے تلامذہ جب دنیائے اسلام میں پھیلے تو گوشہ گوشہ میں قرأت کی خوشبو پھیلا دی، ان سب کا خلوص و محنت، ان کی تن دہی اور مستقل مزاجی اور کلام اللہ کو دوسروں تک پہنچانے کا ذوق و شوق دیکھ کر، نیز جو طویل عمریں ان کو ملیں ان کے پیشِ نظر یہ خیال ہوتے لگتا ہے کہ ان بزرگوں نے دنیا کو قرأت سے بھر دیا ہوگا، اور حقیقت

بھی یہی تھی کہ ان کے گرد طالب علموں کا جس طرح پروانہ وار اژدحام ہوتا تھا، اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اکثر بیشتر لوگ قرآن کی صحیح قرأت سے واقف تھے۔

بدور سبعہ اور اُن کے چودہ رُواۃ

(۱) امام نافع مدنیؒ
قالونؒ ، ورشؒ

(۲) امام ابن کثیر مکیؒ
بزیؒ ، قنبلؒ

(۳) امام ابو عمرو بصریؒ
دوریؒ ، سوسیؒ

(۴) امام ابن عامر شامیؒ
ہشامؒ ، ابن ذکوانؒ

(۵) امام عاصم کوفیؒ
شعبہؒ ، حفصؒ

(۶) امام حمزہ کوفیؒ
خلفؒ ، خلادؒ

(۷) امام ابو الحسن کسائی کوفی رحمہم اللہ
ابو الحارثؒ ، دوری علیؒ

اُصول وقواعد

کلمات وحی کا اختلاف دو قسم پر ہے:

(۱) کلی ...... جن کا انضباط قواعدِ کلیہ سے ہوسکتا ہو۔

(۲) جزئی ...... جو قواعدِ کلیہ سے منضبط نہ ہو سکے۔

پہلی قسم کے اختلاف کو اصولی، اور دوسری قسم کے اختلاف کو فرشی کہتے ہیں جس کو بمناسبت اصولی اختلاف کے فروعی اختلاف سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

اختلاف کلی کا انضباط چونکہ قواعدِ کلیہ سے ممکن ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قراءِ سبعہ کے وہ قواعد جو کثیر التکرار ہیں، بکثرت قرآن میں آتے ہیں، ان کو اختصار کے ساتھ بیان کر دیا جائے۔

تنبیہ:- واضح ہو کہ ائمہ قرأت کے قواعد غالباً اکثری ہیں، بعض مواقع سب کے نزدیک مستثنیٰ ہیں۔

اس فن کا مدار سماع اور نقل پر ہے اور قواعد کی تدوین محض تقریب ضبط کے لیے ہے، فتذکر وکن علی بصیرۃ۔

اصطلاح قراء میں جو اختلاف کسی قاری، (جیسے امام نافع یا امام ابن کثیرؒ) کی طرف منسوب ہو اس کو قرأت، اور جو اختلاف کسی راوی (جیسے قالونؒ یا ورشؒ) کی طرف ہو اس کو روایت، اور جو اختلاف راوی کے شاگرد کی طرف منسوب ہو اس کو طریق کہتے ہیں ـــــ طریق[1] راوی کے اس شاگرد کو کہتے ہیں جس سے راوی کی روایت

---

[1] بیان طرق: قالون کے لیے ابونشیط محمد بن ہارون، ورش کے لیے ابویعقوب یوسف الازرق، بزی کے لیے ابوربیعہ محمد بن اسحاق، قنبل کے لیے ابوبکر محمد بن مجاہد، دوری کے لیے ابوالزعراء عبدالرحمن بن عبدوس

(باقی اگلے صفحہ پر)

شائع ہوتی ہے، مطلقاً ہر شاگرد کو طریق نہیں کہتے، مثلاً: "بین السورتین میں اثبات بسملہ مکی کی قرأت اور قالون کی روایت ہے نافع سے، اور اصبہانی کا طریق ہے ورش سے۔

قواعدِ قالون

قاعدہ: مدِ متصل میں توسط کرتے ہیں اور منفصل میں دو وجہ، قصر و توسط قصر مقدم ہے۔

قاعدہ: میم جمع (ھُمْ، کُمْ) میں دو وجہ جائز ہیں، سکون اور صلہ[1] سکون مقدم ہے۔

قاعدہ: دو ہمزہ ایک کلمہ میں جمع ہوں اور دونوں مفتوح ہوں، جیسے: ءَأَنذَرْتَهُمْ، یا پہلا ہمزہ مفتوح اور دوسرا مکسور جیسے ءَإِذَا أَئِنَّا وغیرہ یا پہلا ہمزہ مفتوح اور دوسرا مضموم ہو جیسے أَؤُنَبِّئُكُمْ أَأُنزِلَ، ءَأُلْقِيَ تو ہر سہ اقسام میں ہمزۂ ثانیہ کی تسہیل[2] مع ادخال الف بین الہمزتین کرتے ہیں،

قاعدہ: دو ہمزے دو کلموں کے جمع ہوں تو ان کی دو صورتیں ہیں:

(بقیہ صفحہ گذشتہ) سوسی کے لیے ابو عمران موسیٰ بن جریر، ہشام کے لیے ابوالحسن احمد بن یزید الحلوانی، ابن ذکوان کے لیے ابوعبداللہ ہارون بن موسیٰ الاخفش، شعبہ کے لیے ابو ذکریا یحییٰ بن آدم، حفص کیلیے ابومحمد عبید بن الصباح النہشلی، خلف کے لیے ابوالحسن احمد بن عثمان بن بوبان، خلاد کے لیے ابوبکر محمد بن شاذان الجوہری، ابوالحارث کے لیے ابوعبداللہ محمد بن یحییٰ بغدادی، دوری علی کیلئے ابوالفضل جعفر بن محمد النصیبی ۱۲ — [1] میم جمع کے بعد واو مدہ زیادہ کرنے کو صلہ کہتے ہیں [2] ہمزہ کو کچھ ہمزہ کے مخرج سے اور کچھ اُس حرفِ مد کے مخرج سے جو ہمزہ کی حرکت کے موافق ہو، ادا کرنے کو تسہیل کہتے ہیں ۱۲

(۱) متفقین (۲) مختلفین

متفقین کی تین صورتیں ہیں ۔

(۱) دونوں ہمزے مفتوح ہوں جیسے جَآءَ اَمْرُنَا ، اس صورت میں ہمزۂ اُولیٰ کو ساقط کرتے ہیں ۔

(۲) دونوں مکسور ہوں جیسے مِنَ السَّمَآءِ اِنْ کُنْتُمْ ، دونوں مضموم ہوں جیسے اَوْلِیَآءُ اُولٰٓئِکَ تو ان دونوں صورتوں میں ہمزۂ اولیٰ کی تسہیل کرتے ہیں ۔

مختلفین کی چھ عقلی صورتوں میں ایک صورت کا وقوع یعنی پہلا ہمزہ مکسور ، دوسرا مضموم ، یہ صورت قرآن میں نہیں ہے ، پس پہلا مفتوح دوسرا مکسور جیسے شُھَدَآءَ اِذْ حَضَرَ اور پہلا مفتوح دوسرا مضموم جیسے جَآءَ اُمَّۃً ، ان دونوں صورتوں میں ، ہمزہ ثانیہ کی تسہیل ہوگی ، اور دو صورتیں جو اس کے برعکس ہوں گی ، جیسے مِنَ السَّمَآءِ اَوْ اور اَلسُّفَھَآءُ اَلَا ، ان دونوں صورتوں میں ہمزہ ثانیہ کا ہمزہ اولیٰ کی حرکت کے مطابق ابدال ہوگا ، اور پانچویں صورت ، یعنی پہلا مضموم اور دوسرا مکسور جیسے مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ اس میں دو وجہ[1] ہمزہ ثانیہ کی تسہیل[2] ہمزہ ثانیہ کا ابدال بالواو ہوگا ۔

قاعدہ : یائے اضافت کے بعد اگر ہمزہ مفتوحہ ہو تو یائے کو بھی مفتوح پڑھتے ہیں جیسے اِنِّیْٓ اَعْلَمُ وغیرہ ، سوائے چند الفاظ کے ۔

---

[1] تقریباً ہر راوی نے اپنے قواعد سے کچھ جزئیات میں اختلاف کیا ہے ، جو فن کی کتابوں سے معلوم کیے جا سکتے ہیں ۔

قواعدِ ورش

قاعدہ: راء کے ماقبل اگر کسرہ متصل یا یاءِ ساکنہ ہو تو اس رائے کو باریک پڑھتے ہیں جیسے: یُبْصِرُونَ، کَثِیْرًا

قاعدہ: اگر ہمزہ ساکنہ فاءِ کلمہ واقع ہو تو اس کو بمناسبت حرکت ماقبل حرف سے بدلتے ہیں، جیسے یُوْمِنُوْنَ،

قاعدہ: لام اگر ان حروف۔ صاد، ضاد، طا، ظا کے بعد ہو تو پُر پڑھتے ہیں، جیسے: اَلصَّلٰوۃَ۔

قاعدہ: مدّ متصل و منفصل میں طول (پانچ الف) کرتے ہیں۔

قاعدہ: ہمزۂ قطعی متحرک سے پہلے حرف صحیح ساکن (یعنی غیر مدہ حرف) یا حرف لین ہو تو ہمزہ کی حرکت ماقبل کی طرف نقل کرتے ہیں اور ہمزہ کو تخفیفاً حذف کرتے ہیں، جیسے بِالْاٰخِرَۃِ، وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی۔

قاعدہ: مدّ بدل میں تین وجہ، قصر، توسط، طول۔

قاعدہ: میم جمع کے بعد اگر ہمزہ قطعی ہو تو اس میم میں صلہ مع المدّ الطویل کرتے ہیں جیسے ءَ اَنْذَرْتَهُمُوْٓ اَمْ

قاعدہ: ذوات الراء میں صرف تقلیل (امالہ صغریٰ) کرتے ہیں جیسے بُشْرٰی نَصَارٰی، اور ذوات الیاء میں فتحہ و تقلیل دونوں کرتے ہیں جیسے ھُدٰی

قاعدہ: اگر الف کے بعد رائے مکسورہ ہو تو الف میں تقلیل کرتے ہیں جیسے: اَبْصَارِهِمْ، مِنْ دِیَارِهِمْ، اَصْحٰبُ النَّارِ۔

قاعدہ: لین جس کے بعد ہمزہ ہو دو وجہ جائز ہیں، اوّل توسط پھر طول جیسے: شَیْءٍ

قاعدہ: لفظ کافرین اور الکافرین میں تمام قرآن میں تقلیل کرتے ہیں۔

قاعدہ: اگر لین اور بدل جمع ہو جائیں اور لین مقدم ہو اور بدل مؤخر تو لین میں پہلے توسط کریں گے اور بدل میں مدِ ثلثہ (قصر، توسط، طول)، پھر لین میں طول کریں گے اور بدل میں صرف طول، یہ چار وجہیں ہوئیں، اور اگر بدل مقدم ہو اور لین مؤخر تو اوّل بدل میں قصر کریں گے اور لین میں توسط، پھر بدل میں توسط اور لین میں بھی توسط، پھر بدل میں طول اور لین میں توسط و طول، یہ چار وجہیں ہوئیں، ان دونوں صورتوں کا نقشہ یہ ہے:

نقشہ

لین مقدم	بدل مؤخر
توسط	قصر
"	توسط
"	طول
طول	طول

بدل مقدم	لین مؤخر
قصر	توسط
توسط	"
طول	"
"	طول

قاعدہ: اگر بدل اور یائی جمع ہوں اور بدل مقدم اور یائی مؤخر ہو تو نقشہ ذیل کے مطابق چار وجہیں ہوں گی، اسی طرح اگر یائی مقدم اور بدل مؤخر ہو تو نقشہ ذیل کے موافق چار وجہیں ہوں گی۔

نقشہ

بدل مقدم	یائی مؤخر
قصر	فتحہ
توسط	تقلیل
طول	فتحہ
طول	تقلیل

یائی مقدم	بدل مؤخر
فتحہ	قصر
فتحہ	طول
تقلیل	توسط
تقلیل	طول

قاعدہ: اگر لین اور یائی جمع ہوں اور لین مقدم ہو اور یائی مؤخر

تو نقشہ ذیل کے موافق چار وجہیں ہوں گی، اور اگر یائی مقدم اور لین مؤخر ہو تو تین وجہیں ہوں گی، دونوں صورتوں کا نقشہ یہ ہے :

نقشہ

لین مقدم	یائی مؤخر
توسط	فتحہ
〃	تقلیل
طول	فتحہ
〃	تقلیل

نقشہ

یائی مقدم	لین مؤخر
فتحہ	طول
تقلیل	توسط
〃	طول

قاعدہ: اگر تینوں یعنی یائی، بدل اور لین جمع ہو جائیں اور یائی مقدم ہو، پھر بدل پھر لین تو یہ چھ سورتیں ہوں گی۔

نقشہ

یائی	بدل	لین
فتحہ	قصر	توسط
فتحہ	طول	توسط پھر طول
تقلیل	توسط	توسط
〃	طول	〃 پھر طول

قصر اور تقلیل جمع نہیں ہوتی، اسی طرح توسط اور فتحہ جمع نہیں ہوتا، طول دونوں کے ساتھ جمع ہوتا ہے

قاعدہ: اگر یا مقدم ہے پھر لین، پھر بدل، تو سامنے کے نقشے کے مطابق چھ صورتیں ہوں گی۔

نقشہ

یائی	لین	بدل
فتحہ	توسط	قصر پھر طول
فتحہ	طول	طول
تقلیل	توسط	توسط، طول
تقلیل	طول	طول

قاعدہ : اور اگر بدل مقدم ہے، پھر لین، پھر یائی تو نقشۂ ذیل کے مطابق چھ صورتیں ہوں گی۔

نقشہ

بدل	لین	یائی
قصر	توسط	فتحہ
توسط	توسط	تقلیل
طول	توسط	فتحہ پھر تقلیل
طول	طول	فتحہ پھر تقلیل

قاعدہ : اور اگر لین مقدم ہو پھر بدل، پھر یائی تو اس میں بھی یہ چھ صورتیں ہیں :

نقشہ

لین	بدل	یائی
توسط	قصر	فتحہ
توسط	توسط	تقلیل
طول	طول	فتحہ، پھر تقلیل
طول	طول	فتحہ پھر تقلیل

قاعدہ : اور اگر لین مقدم ہو، پھر یائی، پھر بدل تو درجِ ذیل نقشہ کے مطابق آٹھ صورتیں ہوں گی۔

نقشہ

لین	یائی	بدل
توسط	فتحہ	قصر، پھر طول
توسط	تقلیل	توسط، پھر طول
طول	فتحہ	قصر، پھر طول
طول	تقلیل	توسط، پھر طول

قاعدہ: اور اگر بدل مقدم ہو، پھر یائی، پھر لین، تو چھ صورتیں ہوں گی۔

بدل	یائی	لین
قصر	فتحہ	توسط
توسط	تقلیل	توسط
طول	فتحہ	توسط، پھر طول
طول	تقلیل	توسط پھر طول

قاعدہ: ہمزتین مفتوحتین ایک کلمہ میں ہوں تو دو وجہ ۱ ہمزہ ثانیہ کی تسہیل محض اور ۲ ابدالِ ہمزۂ ثانیہ بالالف کرتے ہیں، ابدال کی مثال جیسے:
ءَاَنْذَرْتَهُمْ وغیرہ

ہمزۂ اولیٰ مفتوح اور ثانیہ مکسور ایک کلمہ میں ہوں تو ہمزہ ثانیہ کی صرف تسہیل کرتے ہیں جیسے: اَئِذَا

ہمزۂ اولیٰ مفتوح اور ثانیہ مضموم جیسے: اَؤُنَبِّئُكُمْ تو ثانیہ کی صرف تسہیل کرتے ہیں۔

قاعدہ: دو ہمزے دو کلمے کے جمع ہوں تو ان کی دو صورتیں ہیں:
۱ متفقتین ۲ مختلفتین

متفقتین کی ہر سہ صورت میں ہمزہ ثانیہ کی تسہیل ہے اور دوسری وجہ ابدال بالمد بھی مقروء ہے لیکن هٰؤُلَاۤءِ اِنْ كُنْتُمْ اور عَلَى الْبِغَاۤءِ اِنْ اَرَدْنَ میں ایک تیسری وجہ ہمزہ ثانیہ کا ابدال بالیاء المکسورہ بھی مقروء ہے۔
مختلفتین میں مثل قالون کے پڑھتے ہیں۔
(دیکھیے قواعد قالون)

قواعدِ ابنِ کثیر مکی

قاعدہ: مدّ متصل میں توسط اور منفصل میں قصر کرتے ہیں۔
قاعدہ: میم جمع میں صلہ کرتے ہیں۔
قاعدہ: ضمیر مضموم ومکسور میں بھی صلہ کرتے ہیں جیسے وَشَرَوْہُ اور فِیْہِ
قاعدہ: ایک کلمہ میں دو ہمزے جمع ہوں تو ہمزۂ ثانیہ کی تسہیل کرتے ہیں اور دو ہمزے دو کلمے کے ہوں تو بتفصیل ذیل تغیّر کرتے ہیں۔

قواعدِ بزّی

ہمزتین متفقتین میں جبکہ دونوں مفتوح ہوں تو ہمزۂ اولیٰ ساقط ہوگا باقی مکسورتین ومضمومتین میں ہمزۂ اولیٰ کی صرف تسہیل ہے۔

قواعدِ قنبل

قاعدہ: ہمزتین متفقتین کی ہر سہ صورت میں ہمزۂ ثانیہ کی تسہیل اور دوسری وجہ ابدال بالمد بھی مقروء ہے۔
تنبیہ: ہمزتین مختلفتین میں پورے مکی مثل قالون کے پڑھتے ہیں (فراجعہ)

قواعدِ دُوری بصری

قاعدہ: مدّ متصل میں توسط کرتے ہیں، منفصل میں قصر وتوسط دونوں جائز ہیں۔
قاعدہ: منفَاسِ مجرور میں امالہ کرتے ہیں (فتحہ کو کسرہ اور اس کے بعد کے الف کو یار مجہول پڑھنے کو امالہ کہتے ہیں)
قاعدہ: کافِرِیْن میں امالہ کرتے ہیں۔
قاعدہ: ذوات الرّار میں مطلقاً امالہ (کبری) کرتے ہیں، خواہ کسی وزن پر ہوں

خواہ اسم ہوں یا فعل جیسے بُشْرٰی، ذِکْرٰی، اُسْرٰی، نَصَارٰی، سُکَارٰی، اِشْتَرٰی، وَاَرٰی وغیرہ۔

قاعدہ: ذوات الیاء میں جب وہ بر وزن فَعْلٰی (۱۱ کلمات قرآن میں آئے ہیں) فِعْلٰی (۴۳ کلمات قرآن میں آئے ہیں) اور فُعْلٰی (۲۰ کلمات قرآن میں آئے ہیں) ہوں تو امالہ (صغریٰ کرتے ہیں۔

قاعدہ: ذوات الیاء فواصل میں مطلقاً پورے بصری امالہ صغریٰ کرتے ہیں جو ۱۲ سورتوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں، سورہ طٰہٰ، نجم، معارج قیامۃ، نازعات، عبس، اعلیٰ، شمس، لیل، ضحٰی، علق۔

کلماتِ اربعہ یَا وَیْلَتٰی، یَاحَسْرَتٰی، یَا اَسَفٰی، اَنّٰی (استفہامیہ) میں خلافِ قیاس تبعًا للاثر تقلیل ہوگی۔

قاعدہ: (پورے بصری) ہمزتین کلمہ واحدہ میں جبکہ دونوں مفتوح ہوں، یا پہلا مفتوح دوسرا مکسور ہو تو ان دونوں صورتوں میں ہمزہ ثانیہ میں تسہیل مع الادخال کرتے ہیں۔

اور پہلا مفتوح دوسرا مضموم ہو تو دو وجہ ہے، تسہیل محض، تسہیل مع الادخال (پورے بصری)

قاعدہ: ہمزتین من کلمتین کی دو صورتوں (متفقتین ومختلفتین) میں سے متفقتین کی ہر سہ صورت میں پورے بصری ہمزہ اولیٰ ساقط کرتے ہیں۔

مختلفتین میں مثل حرمین کے پڑھتے ہیں (قواعد قالون میں پھر دیکھ لیجئے)

قواعد سوسی

قاعدہ: مد متصل میں توسط اور منفصل میں قصر کرتے ہیں۔

قاعدہ: ادغام بکثرت کرتے ہیں (تفصیل کے لیے "التیسیر" (عربی)، "احیاء المعانی" (اردو) دیکھیے)

قاعدہ: ہمزہ ساکنہ کو مدہ سے بدلتے ہیں۔
قاعدہ: باستثناء لفظ ناسؔ کے دیگر حروف کے امالہ میں دوری بصری کے موافق ہیں۔

قواعد ہشام و ابن ذکوان

قاعدہ: (ہشام) رَقِیلَ میں اشمام ضمہ کرتے ہیں، اشمام کہتے ہیں ہونٹوں کو اس طرح گول کرنا جس طرح ضمہ کی ادائیگی میں بنتے ہیں، بغیر حرکت کی آواز کے
قاعدہ: مد میں مطلقاً توسط کرتے ہیں۔
قاعدہ: (ابن ذکوان) مد میں مثل ہشام کے ہیں اور لفظ جَآءَ، شَآءَ، زَادَ میں امالہ کرتے ہیں۔

قواعد عاصم، حفص

قاعدہ: مد میں توسط کرتے ہیں؛
حفص کے قواعد و اصول کتب تجوید میں پڑھ چکے ہیں، رہے فرشی و فروعی اختلافات، تو قرآن مجید روایت حفصؒ کے مطابق چھپتے ہیں۔
شعبہ نے اصول میں حفصؒ سے اختلاف نہیں کیا ہے، اگر کہیں ہے بھی، تو بہت کم، نہ ہونے کے برابر۔

قواعد حمزہؒ

قاعدہ: مد میں طول کرتے ہیں۔
قاعدہ: لفظ عَلَیۡہُمۡ، اِلَیۡہُمۡ، لَدَیۡہُمۡ میں ہا کو مضموم اور میم کو ساکن پڑھتے ہیں۔
قاعدہ: لفظ جَآءَ، شَآءَ، زَادَ، خَافَ، طَابَ، خَابَ، حَاقَ

ضَاقَ، رَانَ، زَاغَ میں امالہ کرتے ہیں۔

قاعدہ: ذوات الرّا اور ذوات الیاء میں امالہ (کبریٰ) کرتے ہیں۔

قاعدہ: بعد حرف ساکن ہمزہ ہو تو اس پر بہ تفصیل ذیل سکتہ کرتے ہیں۔

قواعدِ خلفؒ

قاعدہ: لفظ شَیْئٌ اور اَل میں جبکہ اس کے بعد ہمزہ ہو سکتہ کرتے ہیں اور مفصول میں تحقیق و سکتہ دونوں کرتے ہیں، تحقیق مقدم ہے۔

قاعدہ: واؤ اور یاء میں ادغام تام (بلا غنہ) کرتے ہیں۔

قواعدِ خلّادؒ

قاعدہ: مفصول میں صرف تحقیق اور شَیْئٌ اور اَل میں تحقیق و سکتہ دونوں ہے، سکتہ مقدم ہے۔

قواعدِ کسائیؒ

قاعدہ: ذوات الیاء و ذوات الراء میں امالہ (کبریٰ) اور تاء تانیث میں بحالت وقف امالہ کرتے ہیں۔

قاعدہ: قِیْلَ میں اشمام کرتے ہیں۔

قاعدہ: مد میں توسط کرتے ہیں۔

طریقۂ اجراء

اگر کل قراء و رواۃ کے اختلافات میں کلام اللہ من اولہٖ الی آخرہٖ پڑھا جائے جس سے ہر اختلاف کی ادا زبان پر جاری ہو جائے اور خود پڑھ کر اپنے شیخ کو سنا دے تو اس کو اجراء کہتے ہیں۔

اجرار کی دوصورتیں ہیں، ایک بطور افراد دوسرے بطور جمع ۔

اگر ہر امام کے ہر راوی کی روایت کو الگ الگ علی الترتیب پڑھا جائے خواہ کسی وجہ میں رواۃ کا اتحاد کیوں نہ ہو تو اس کو افراد یا منفردہ کہتے ہیں۔

اگر جمیع قرار در وات کے اختلافات کو جمع کر کے پڑھا جائے تو اس کو جمع الجمع کہتے ہیں، جمع الجمع کی تین صورتیں ہیں۔

(الف) جمع وقفی: یعنی ہر اختلاف کرنے والے کے لیے مبداء سے موقف تک ہر بار پڑھنا۔

(ب) جمع عطفی: یعنی کسی آیت میں اگر متعدد اختلافی کلمات آئیں تو ان کو بہ ترتیب اقرب فالاقرب ادا کیا جائے، اس طرح پر کہ جس کلمہ کا اختلاف موقف سے قریب ہو، پہلے اس کو ادا کیا جائے، پھر جو اختلاف اس سے پہلے ہو اس کو بذریعہ عطف ادا کیا جائے، بشرطیکہ ماقبل کی قرأت موافق قرأت ہو۔

اسی طرح ہر اختلاف کرنے والے حضرات کے لیے یکے بعد دیگرے بذریعہ عطف جملہ کلمات کے اختلاف جملہ قرار کے لیے ادا کرے۔

(ج) جمع حرفی: یعنی آیت میں ہر پہلے آنے والے کلمہ مختلفہ کو ترتیب رجال سے بذریعہ اعادہ ہر اختلاف کو پورا کرنا یہ جمع حرفی ہے ۔

محل مختلف میں ترتیب اقرب فالاقرب اور محل واحد میں ترتیب رجال واجب ہے ، جمع وقفی اور قرأت منفردہ میں یہ فرق ہے کہ جمع وقفی میں جن حضرات کی قرأت بوجہ شرکت و موافقت پڑھی ہوئی قرأت میں مندرج ہو جائے گی، ان کے لیے دوبارہ نہ پڑھا جائے گا ، اور قرأت منفردہ میں باوجود موافقت و اتحادِ قرأت کے کوئی قرأت مندرج نہ سمجھی جائے گی، اور ہر ایک کے لیے ہر بار پڑھنا ضروری ہے ۔

جمع حرفی میں اختلافِ قرأت ادا کرتے وقت اس کا خیال رکھے کہ جس کلمہ کا کسی ... سے کلمہ کے اختلاف پورا کرنے پر موقوف ہو جس کو مختلف مرتب کہتے ہیں،

تو ایسی صورت دوسرے کلمہ کو پڑھتے وقت اختلاف مرتب کا لحاظ کرنا واجب ہے۔ مثلاً فَتَلَقّٰى اٰدَمُ میں رفع اور نصب دونوں ہیں، لیکن یہ موقوف ہے کَلِمٰتٌ کے اختلاف ادا کرنے پر۔ لہٰذا جس کے لیے اٰدَمُ کا رفع پڑھے تو اس کے لیے کَلِمٰتٍ کا نصب پڑھنا ضروری ہے، اسی طرح جب اٰدَمَ کا نصب پڑھے تو کَلِمٰتٌ کا رفع پڑھنا ضروری ہے، ایسی صورت میں پہلے کلمہ کا اختلاف ترتیب رجال سے نہیں ادا ہو سکتا تا وقتیکہ خلاف مرتب کو ترتیب سے نہ ادا کیا جائے۔

(ماخوذ از جامع القراءات)

جمع الجمع میں چار ضروری شرائط

(۱) خوبیٔ وقف، کہ وقف نامناسب موقعہ پر نہ ہو، پس وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اور وَمَا اَرْسَلْنٰكَ میں اِلَّا سے پہلے وقف کر کے وجوہ نہ پورے کرے کیونکہ معنی نامناسب ہو جاتے ہیں۔

(۲) خوبیٔ ابتداء، کہ یہ بھی نامناسب موقع سے نہ ہو، مثلاً اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ اور اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ اور اِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا سے ابتداء نہ کرے، کیونکہ خلاف مراد معنی کا وہم ہوتا ہے۔

(۳) حسن ادا اور تجوید کی پوری پوری رعایت اور پابندی، آج کل اس کا بالکل نہیں خیال کیا جاتا۔ (۴) قرأت میں ترکیب اور خلط نہ ہونے پائے۔

تنبیہ: جس جگہ عوام اور ناواقف لوگوں کی کثرت ہو اور قراءات سبعہ وعشرہ کے اختلافات سے لوگ واقف نہ ہوں، وہاں مناسب یہ ہے کہ روایتِ حفصؒ کے سوا دوسرے اختلافات نہ پڑھے جائیں۔ ورنہ عوام بہ سبب اپنی ناواقفیت کے اعتقادی فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گے، چنانچہ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ اور چیزوں میں تو اختلاف تھا ہی، ان قاریوں نے قرآن میں بھی اختلاف کر دیا۔ اور یہ قاعدہ شرعیہ ہے کہ اگر خواص کے مستحب پر عمل کرنے سے عوام کے حرام میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو خواص کے لیے اس مستحب پر عمل کرنا ممنوع ہو جاتا ہے۔

❖

فنِ قراءت کی تصنیفات

ایک جائزہ

قرونِ اولیٰ میں حفاظتِ قرآن کا مدار اعتماد و حفظ پر تھا، صحابہ کرام رض و تابعین رح عظام قوی الحافظہ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جس طرح حاصل کیا تھا، بالکل اسی طرح حافظہ سے پڑھاتے تھے، تعلیم و تعلّم اور کثرتِ تلاوت سے بھولنے کی صورت نہیں پیدا ہوتی تھی، مصحفِ عثمانی رض کی نقلیں تمام بلاد و امصار میں پہنچ گئی تھیں مگر اس پر حاشیہ و بین السطور وغیرہ کچھ لکھنا مکروہ سمجھا جاتا تھا۔

دوسری صدی تک وجوہ قراءت لکھنے کا دستور نہیں تھا، تابعین اور تبع تابعین کو اس کی ضرورت نہ تھی، کیونکہ ان حضرات کو اس کی تحقیق سے انتہائی شغف تھا، طلبا متعدد شیوخ و اساتذہ سے حاصل کرتے تھے، جس سے اس قدر پختگی آجاتی کہ کتابت کی ضرورت نہ رہتی۔

مگر جب غیر ضابط اور ضعیف الحافظہ طلبا نے داخل ہو کر غلطیاں کرنا شروع کیں تو ائمہ فن نے وجوہِ قراءت کی تدوین ضروری سمجھی اور تصانیف کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

ان تصانیف کا منشا بھی سماعی علم کو مدد پہنچانا تھا۔

لیکن ان کتابوں کے باوجود مستند استاذ سے جس نے اسناد متواترہ، مسلسلہ، مشہورہ، متصلہ سے قرارت حاصل کی ہو، قرارت قرآن سیکھنے کی ضرورت ہر حال میں باقی رہتی ہے، کیونکہ قرآن آنکھوں سے نہیں بلکہ کانوں سے سُن کر سیکھا جاتا ہے۔

آئندہ سطور میں اس فن کی تصنیفات اور کچھ مصنفین کا ذکر اختصار کے ساتھ اس مقصد کے پیش نظر کیا جا رہا ہے کہ ان کی خدمات کو دیکھ کر اس دور کے اہل علم حضرات خصوصًا اور دوسرے حضرات عمومًا کتاب اللہ کی خدمت کے لیے پورے ذوق وشوق سے قدم اُٹھائیں۔

یہ تذکرہ باعتبار سن وفات صدی وار کیا جائے گا، سال تصنیف ممکن ہے اس سے پہلی صدی میں ہو، سلسلہ تصانیف کا آغاز تیسری صدی ہجری سے ہوتا ہے۔

تیسری صدی

اس صدی میں سات کتابیں لکھی گئیں

(۱) **کتاب القراءات**:۔ یہ سبعہ سمیت پچیس قرارات میں ہے، از ابو عبید قاسم ابن سلامؒ مصنفؒ کا سن وفات معلوم نہ ہو سکا۔ ابو قدامہ کہتے ہیں کہ امام شافعی فہم میں، امام احمدؒ پرہیزگاری میں، اسحاق حافظہ میں سب پہ فائق ہیں اور ابو عبید لغت وعربیت میں اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم ہیں، ذہبی کہتے ہیں کہ بیس سے زیادہ تصانیف آپ کی یادگار ہیں، جو ان کو دیکھتا ہے اس کو آپ کے حفظ وضبط اور علم وفضل کا پتہ چلتا ہے۔

(۲) **کتاب القراءات**: یہ بھی سبعہ سمیت پچیس قرارات میں ہے (لیکن شامیؒ حمزہؒ، کسائیؒ کی قرارات اس میں درج نہیں) از ابو حاتم سہیل بن محمد بن عثمان سجستانی، نحوی، مصری، بصری اور بہت سی کتابیں آپ کی یادگار ہیں۔ وفات ۲۴۸ھ۔

(۳) **کتاب القراءات**:- یہ بھی پچیس قراءات میں ہے، از قاضی اسماعیل "ابو اسحاق بن اسحاق بن اسماعیل، آپ قالون کے شاگرد ہیں "احکام القرآن" اور معانی القرآن آپ ہی کی تصنیف ہیں (و ۱۷۹ھ م ۲۸۲ھ)

(۴) **کتاب القراءات** (۵) **کتاب الشواذ**:- یہ دونوں ثعلب ابو العباس کوفی بغدادی کی تصنیف ہیں (و ۲۰۰ھ م ۲۹۱ھ)

(۶) **کتاب القراءات**:- از احمد ابن جبیر، (م ۲۵۸ھ)

(۷) **اداب القراءات**:- از عبد اللہ بن مسلم الدینوری، النحوی البغدادی معروف بہ ابن قتیبہ، آپ کے علم وفضل، اعلیٰ ذوق ادب اور مؤرخانہ بصیرت سے دنیا واقف ہے آپ تیسری صدی کے مشہور ومعروف مصنف مؤرخ، ادیب اور نقاد ہیں، عربی ادب میں تنقید نگاری کی ابتدا در اصل آپ ہی سے ہوئی ہے (م ۲۷۶ھ)

چوتھی صدی

اس صدی میں پچیس سے زائد کتابیں لکھی گئیں جس میں نصف سے زیادہ بغداد سے ہیں۔

ان میں سب سے زیادہ شہرت یافتہ اور مقبول ترین کتاب "کتاب السبعہ" ہے۔ از امام ابو بکر احمد بن موسیٰ بن عباس مجاہد اس صدی کی عظیم ترین شخصیت ہیں، اس چوتھی صدی میں لکھی گئی، تمام کتابوں میں سے سب سے زیادہ مقبول آپ کی کتاب "السبعہ" ہے اور یہ پہلی کتاب ہے جس میں قراءات سبعہ پر اکتفا کیا گیا ہے، اور امام نافع مدنی کو سب سے پہلے ذکر کیا ہے، اسی کتاب سے قراءات سبعہ کا رواج ہوا، بعد کے سب حضرات انہیں کے مقلد ہیں۔

الجامع: (کتاب القراءات وتنزیل القرآن) میں سے زیادہ قراءات میں ... رت قرآن ہیں، قرا کے اختلافات کا ذکر کیا ہے، قراء کے اسماء اور

اماکن نیز ان کے فضائل کا ذکر کیا ہے، ہر ہر قراءات کی وجہ، اس کی تاویل، نیز جس وجہ کو درست سمجھا ہے اور خود اختیار کیا ہے اس کی مکمل وضاحت کی ہے اور دلائل و براہان بھی پیش کیے ہیں، اس کے مضامین کی بنیاد، تیسری صدی کی شخصیت، امام ابو عبید القاسم کی کتاب "القراءات" پر رکھی ہے۔

یاقوت حموی، (صاحب معجم الادباء و معجم البلدان) نے اس کتاب کی توصیف کی ہے، اور نیز ابو علی الحسن علی الاہوازی المقری نے لکھا ہے انہ کتاب جلیل کبیر رأیتہ فی ثمانی عشرۃ مجلدۃ بخطوط کبار ذکر فیہ جمیع القراءات من المشہور والشاذ وعلل ذالک وشرحہ الخ (الطبری فی اعلام العرب ص۹۵) از مؤرخ کبیر و مفسر شہیر ابو جعفر بن جریر طبری۔

کتاب القراءات: یہ ان کتابوں میں سب سے پہلی کتاب ہے جس میں اوّل اصول پھر فروش بیان کیے ہیں بعد کے مصنفین نے یہ ترتیب اسی کتاب سے لی ہے، از دارقطنی ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بغدادی کی تصنیف ہے۔ (و ۳۰۶ھ م ۳۸۵ھ)

ارشاد فی العشرہ اور معدّل: یہ دونوں ابو الطیب عبد المنعم بن عبید اللہ بن غلبون بن مبارک حلبی ثم المصری کی تصنیف ہیں، آپ استاذ فن اور معلم قراءت ہیں، ابو سہل وراق وغیرہ کے تلمیذ ہیں، جمادی الاوّل ۳۸۹ھ میں وفات پائی۔

پانچویں صدی

اس صدی میں پچاس سے زیادہ کتابیں لکھی گئیں، اکثر محققانہ اور معتبر متن ہیں۔ نصف کے قریب علماء اندلس نے لکھیں، جن میں سے چند مشہور و مقبول تصانیف یہ ہیں:

المنتھی فی العشر: اس کتاب میں تمام متقدمین سے زیادہ طرق وغیرہ جمع کیے ہیں، از خزاعی ابو الفضل محمد بن جعفر آپ نے ابو احمد سامری مطوعی

شذائی وغیرہ سے قراءات پڑھیں ۴۰۸ھ میں وفات پائی۔

الهدی فی السبعة : از ابوعبداللہ محمد بن سفیان قیروانی مالکی مکہ، آپ نے ابن غلبون وغیرہ سے قراءات پڑھیں، مہدوی جیسے مجتہد آپ کے شاگرد ہیں صفر ۴۱۴ھ کی شب میں مدینہ میں وفات پائی اور بقیع میں مدفون ہوئے۔

المجتبیٰ فی السبعة :- از ابوالقاسم عبدالحمید بن احمد بن عمر طوسی نزیل مصر، آپ ابواحمد سامری، ابوبکر اذخوی اور ابن نفیس وغیرہ کے شاگرد ہیں، آخر ربیع الاول ۴۴۰ھ میں مصر میں وفات پائی۔

الروضة فی العشرة : از ابوعمر احمد بن عبداللہ بن طالب طلمنکیؒ قرطبی اندلسی، آپ ابن غلبون کے تلمیذ ہیں۔ ذی الحجہ ۴۲۹ھ میں قرطبہ میں وفات پائی۔

الهدایة فی السبعة اور التیسیر (ثانی)

از ابوالعباس احمد بن عمار مہدوی، مہدیہ کے باشندے ہیں جو مغربی افریقہ کے ابتدائی حصّہ میں آباد ہے، آپ "تفصیل" "تحصیل" وغیرہ کتابوں کے مصنف ہیں، حدیث وفقہ میں فاضل اور تفسیر وقراءت وعربیت میں امام تھے۔ ذہبی کے قول پر ۴۳۰ھ کے بعد وفات پائی۔

مگر اس صدی کی مایہ ناز اور سب سے زیادہ مقبول کتاب "التیسیر للدانی" ہے (م ۴۴۴ھ) مصنف کی اہم ترین شخصیت کے پیش نظر ان کا ترجمہ تفصیل کا طالب ہے، جسے آخر میں ذکر کیا جائے گا۔

العنوان :- یہ سبعہ کی بہترین کتابوں میں سے ہے، از ابوطاہر اسماعیل بن خلف بن سعید بن عمران انصاری ۴۵۵ھ میں مصر میں وفات پائی۔

چھٹی صدی

اس صدی میں تینتیس کتابیں لکھی گئیں، اکثر محققانہ اور زندہ جاوید منون

اور علماء بغداد، مصر اور اندلس کی یادگار ہیں، ان میں سے چند کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

تلخیص العبارات : از ابو علی قیروانی نزیل اسکندریہ (م ۱۳ رجب ۵۱۴ھ)

ارشاد المبتدی اور **کفایہ کبری** : یہ دونوں ابو العز محمد بن حسین بن بندار قلانسی واسطی کی تصنیف ہیں، شوال ۵۲۱ھ کو واسط میں وفات پائی۔

غایۃ الاختصار فی العشرہ : اس میں ابو جعفر کو سب سے پہلے اور یعقوب کو کوفیین سے پہلے لائے ہیں **مفردہ یعقوب**۔ دونوں کتابیں شیخ القراء والمحدثین حافظ مشرق ابو العلاء حسن بن احمد ہمدانی کی تصنیف ہیں، ۱۹ جمادی الاول ۵۲۹ھ کو ہمدان میں وفات پائی۔

الاقناع ، الغایہ : دونوں سبعہ میں بلند پایہ کتابیں ہیں، از ابو جعفر احمد بن علی بن احمد بن خلف بن باذش انصاری غرناطی، اندلسی، نحوی، غرناطہ میں ... جمادی الثانی ۵۴۰ھ میں وفات پائی۔

اس صدی میں تصنیف شدہ تمام کتابوں میں عظیم الشان، سب سے اہم اور زندہ جاوید کتاب "**حرز الامانی ووجہ التہانی**" ہے جو قصیدہ شاطبیہ کے نام سے مشہور ہے، گیارہ سو تہتر اشعار پر مشتمل ہے۔

اس میں علامہ دانی کی "التیسیر" کو اضافہ جات کے ساتھ نرالے طرز پر نہایت خوبی سے نظم کیا ہے، فن قرأت کا یہ عجیب و غریب قصیدہ ہے، اگرچہ قرأت کو نظم میں لکھنے کے موجد ابو الحسن حصری ہیں لیکن پوری قرأت سبعہ کو سب سے پہلے ابو القاسم بن خلف بن احمد یعنی علامہ شاطبی اندلسی ہی نے (۵۳۸ھ ۔ ۵۹۰ھ) نظم کیا ہے، آپ کے زمانہ میں اور آپ کے بعد بہت سے ائمہ نے قراءات پر قصائد لکھے، لیکن کوئی قصیدہ شاطبیہ کی گرد کو بھی نہ پاسکا، اس شہرہ آفاق قصیدے کی مقبولیت اور ناظم کی اہم ترین شخصیت کے پیش نظر مفصل ترجمہ آخر میں پیش کیا جائے گا۔

ساتویں صدی

اس صدی میں تیس کتابیں لکھی گئیں، پندرہ کے قریب شاطبیہ کی شروح وحواشی ہیں، جن میں سے چند مشہور کتابیں یہ ہیں:

الجامع الاکبر والبحر الازخر: یہ کتاب اسم بامسمٰی ہے، سات ہزار روایات وطرق اس میں بیان کی گئی ہیں، اتنا بڑا ذخیرہ اس سے پہلے جمع نہیں کیا گیا۔ ابو القاسم عیسیٰ بن عبد العزیز لخمی اسکندری کی تصنیف ہے، ۶۲۹ھ کو اندلس میں وفات پائی۔

اعلان فی السبعہ: یہ کتاب تیسیر وشاطبیہ کے ہم مرتبہ قرار دی جاتی ہے۔ از ابو القاسم عبد الرحمٰن بن عبد المجید صفراوی اسکندری ادیب لاول ۶۳۶ھ میں اسکندریہ میں وفات پائی۔

شاطبیہ کی سب سے پہلی شرح جمال القراء، افصاح، اقوی العدد الطود الراسخ، منثور الدر، منہاج التوقیف، مراتب الاصول، وسیلہ شرح عقلیہ، ھدایت المرتاب، یہ شاطبیہ کی سب سے پہلی شرح ہے۔ جس میں تجوید قرأت، وقف وابتدا، ناسخ ومنسوخ وغیرہ قرارت کے تمام متعلقات پر تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے، یہ دس ان کے سوا اور بہت سی کتابیں قرارت پر اس صدی کی معروف ترین شخصیت علامہ علم الدین ابو الحسن علی بن محمد بن عبد الصمد السخاویؒ مصری، شافعیؒ نزیل دمشق کی تصنیف ہیں، آپ کی پیدائش ۵۵۹ھ کی ہے علامہ سخاوی رح بڑے جید قاری اور علامہ شاطبی کے شاگرد تھے، عرصہ دراز سے قاہرہ میں قیام کرکے صاحب شاطبیہ سے استفادہ کیا، قصیدہ شاطبیہ خود صاحب تصنیف سے پڑھا۔

سخاویؒ قاہرہ سے دمشق چلے گئے، وہاں بہت سے تلامذہ کو قراءات سبعہ اور شاطبیہ کا درس دیا۔

ابن خلِّکان (صاحب وفیات الاعیان) کہتے ہیں کہ بیک وقت متعدد تلامذہ کا جُدا جُدا قرآن سنتے تھے، اور غلطیوں پر ہر ایک کو ٹوکتے تھے، نیز ابن خلِّکان علامہ سخاویؒ کی مقبولیت کا آنکھوں دیکھا منظر یوں بیان کرتے ہیں: " میں نے دمشق میں لوگوں کا ازدحام دیکھا کہ سخاوی کے اطراف قرارت سننے کے اشتیاق میں جمع تھے جہاں تک حاضرین کو آواز سنائی دیتی تھی وہ خاموشی سے سنتے تھے اور سنکر پیچھے ہٹ جاتے، پیچھے کے لوگ سامنے آجاتے، جو کوئی سننا چاہتا اس کی باری ایک عرصہ کے بعد آتی، ۱۲ جمادی الثانی ۶۴۳ھ کو دمشق میں وفات پائی۔

ابراز المعانی، مقرر دہ، شاطبیہ کی شرح کبیر، ان کے علاوہ اور بہت سی کتابیں۔ اس صدی کی بیحد مشہور اور مقبول ترین شخصیت ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن اسماعیل بن ابراہیم بن عثمان مقدسی دمشقی شافعی المعروف ابوشامہؒ کی تصنیف ہیں ابراز شاطبیہ کی بہترین شرح ہے، بعد کے لوگوں نے اس کے مضامین سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے، راقم نے خود زیرنظر تالیف میں اس قیمتی شرح سے اخذ و استفادہ کیا ہے فجزاہ اللہ تعالیٰ عنا و عن سائرالمسلمین۔

۵۹۹ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، دو بدنصیبوں نے سخت ضربوں سے آپ کو زخمی کر دیا تھا، نام پوچھنے پر فرمایا، میں نے اپنا معاملہ خدائے تعالےٰ کے حوالہ کر دیا ہے، انہیں ضربات کے باعث ۶۶۵ھ میں شہید ہوئے، آپ ایک بڑے جیّد عالم، خوش گلو قاری اور عظیم المرتبت تھے، آپ کو تکلف سے بہت نفرت تھی۔

آٹھویں صدی

اس صدی میں پچاس سے زائد کتابیں لکھی گئیں، جن میں سے اکثر مقدار نہ ہیں اور عربیت کے قیاسات سے پُر ہیں، پچیس شاطبیہ سے متعلق ہیں بطورِ خاص

قابلِ ذکر کتابیں یہ ہیں۔

شاطبیہ کی سب سے بہتر شرح ، جو ۶۹۱ھ میں لکھی گئی ہے محققانہ ہے ، صحیح وجوہ درج ہیں ، لغوی اور نحوی تحقیقات کے بعد بلحاظِ فن ایسے فوائد و نکات بیان کیے ہیں جو آپ ہی کا حصہ تھا ، اسے دیکھ کر ماننا پڑتا ہے کہ کم ترک الاولون للآخرین — یہ اور دوسری سات کتابیں علامہ برہان الدین ابو اسحاق ابراہیم بن عمر بن ابراہیم بن خلیل جعبری کی تصنیف ہیں ، آپ ابو شامہ کے شیخ ہیں اور محقق جزریؒ کے شیخ الشیخ ہیں ، ۷۳۲ھ میں بلدۂ خلیل میں وفات پائی۔

شاطبیہ کی شرح اور الشرعہ فی السبع ، یہ نہایت عمدہ اور بدیع الترتیب کتاب ہے ، فرش کو بھی اصول ہی کے ابواب میں بیان کیا ہے دونوں کتابیں شرف الدین ابو القاسم ہبۃ اللہ بن عبد الرحیم بارزی حموی شافعی کی تصنیف ہیں ، امام ابو المعالی کے شیخ محقق جزریؒ کے شیخ الشیخ ہیں ۷۳۸ھ میں حماۃ میں وفات پائی۔

عقد اللآلی فی السبع العوالی :

یہ نہایت بلند پایہ قصیدہ جو شاطبیہ کے وزن و قافیہ پر ہے ، خالی از رموز ہے یہ اور اس کے علاوہ قراء سبعہ اور یعقوب کی آٹھ قراءات پر جدا جدا آٹھ قصائد جن کے نام ان قراء کے نام کے ہم وزن ہیں ، یہ ہیں ، اللنافع ، الاثیر ، المورد الفم المزن الہامر ، الروض الباسم ، الرمز ، تقریب النائی ، غایۃ المطلوب

یہ تو کتابیں ابو حیان شیخ النحاۃ والمحدثین ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن علی بن یوسف ، ابن حیان ، غرناطی اندلسی کی تصنیف ہیں ، ۶۵۴ھ میں غرناطہ کے قصبہ مشخارش میں پیدا ہوئے ، پانچ سو شیوخ سے علم حاصل کیا ، ۹۱ سال کی عمر پا کر ۲۸ صفر ۷۴۵ھ میں قاہرہ میں وفات پائی ،

سراج القاری : یہ شاطبیہ کی شرح ہے جو نور الدین ابو البقاء علی بن عثمان بن محمد بن احمد بن الحسن القاصح العذری بغدادی کی تصنیف ہے آپ ابن القاصح سے مشہور

ہیں۔ آپ کی وفات سنہ ۸۰۱ھ میں ہوئی۔

یہ کتاب بھی بے حد مقبول ہوئی ہے، مصر سے شائع ہوکر عالم اسلام میں اب بھی پڑھائی جاتی ہے۔

نویں صدی

اس صدی میں تیس سے زیادہ کتابیں لکھی گئیں، افسوس کہ اس صدی میں بغداد اور اندلس سے فن قرارت میں تصنیف کا سلسلہ مسدود ہوگیا، اور اندلس سے مسلمانوں کی حکومت ہی ختم ہوگئی، مگر شام ومصر میں کام ہوا۔

اس صدی کی عظیم اور مرکزی شخصیت علامہ المحقق جزری (و ۷۵۱ھ م ۸۳۳ھ) کی ہے، علم قرارت، تجوید اور وقف میں یہ بارہ تصانیف آپ کی یادگار ہیں:

(۱) اصول قرأت (۲) التحبیر علی التیسیر نثر میں (۳) الدرہ منظوم، سبعہ کے بعد والی تین قرارات میں، (۴) الطیبہ فی العشرہ، منظوم (۵) غایۃ المہرہ فی الزیادۃ علی العشرۃ دس کے بعد والی شاذ قرارات میں (۶) قرارت شاذہ، منظوم (۷) النشر کبیر فی العشرۃ، دو ضخیم جلدوں میں (۸) تقریب النشر، نشر کا خلاصہ (۹) مقدمۃ الجزریہ، تجوید میں، (۱۰) الاہتداء فی الوقف والابتداء، (۱۱) طبقات القراء (صغریٰ) (۱۲) طبقات القراء کبریٰ، اس کے علاوہ اور بہت سی کتابیں حدیث، فقہ، تفسیر پر یادگار ہیں،

آپ کی عظمت وعبقریت کے پیشِ نظر آپ کا تفصیلی تذکرہ وترجمہ آخر میں منتقل کیا جائے گا۔

دسویں صدی

اس صدی میں علماء مصر نے پندرہ کتابیں لکھیں۔

اس صدی کی مشہور ترین اور عبقری شخصیت علامہ جلال الدین سیوطی کی ہے۔

جلال الدین ابوالفضل، عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی، شافعی، قاصری، مصری، یکم رجب ۸۴۹ھ کو قاہرہ میں پیدا ہوئے، آپ کی تعلیم ابن ہمامؒ کے سایہ عاطفت میں ہوئی، پھر مصر کے دیگر علماء سے استفادہ کیا، علامہ تقی الدین شمنی سے خاص تعلق تھا، شرف الدین مناوی سے بھی کسب فیض کیا، ۸۷۱ھ میں علامہ سیوطی مفتی مقرر ہوئے، ۸۷۲ھ میں درس و تدریس کا کام شروع کیا، تصنیف و تالیف کا کام اس سے قبل ۸۶۶ھ سے شروع کر دیا تھا، ۹۰۲ھ میں قاضی القضاۃ مقرر ہوئے، ۹۰۶ھ میں مدرسہ سے علیحدہ ہوگئے، ۹۰۹ھ میں مدرسہ کی صدارت دوبارہ پیش کی گئی، مگر آپ نے قبول نہ کی۔ اس کے بعد گوشہ نشینی ہی رہی، مگر تصنیف و تالیف کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ تقریباً چار سو تصانیف آپ کی یادگار ہیں، آپ کو بہت سے علوم میں تبحر تھا، مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، معانی، بیان، بدیع، تاریخ۔

علامہ سیوطیؒ نے قراءت پر مستند کتابیں لکھیں، جیسے شاطبیہ کی شرح، اور الدر النثیر فی قراءت ابن کثیر ایسے ہی اتقان فی علوم القرآن اور الدر المنثور۔

آپ کے مواعظ کا مجموعہ بھی شائع ہو چکا ہے، آپ کی تصانیف کے ذریعہ سلف کا بہت سا ذخیرہ ہم تک پہنچا ہے۔

تفسیر جلالین آپ کی اور آپ کے شیخ جلال الدین محلی کی مشترکہ کوشش کا نتیجہ ہے، آپ نے ۱۹ر جمادی الاولیٰ ۹۱۱ھ کو وفات پائی، قاہرہ میں باب قرافہ کے باہر مدفون ہوئے۔

اس صدی کی دوسری مشہور تصانیف یہ ہیں۔

لطیف الاشارات بفنون القراءات، شاطبیہ کی شرح، کنز فی وقف حمزہ وھشام علی الھمز، تینوں قراء ... یں ہیں، مقدم الذکر بہت نافع اور بہت بڑی کتاب ہے جس میں قراءت کے ہر مسئلے سے بحث کی گئی ہے۔

شہاب الدین احمد بن محمد بن ابی بکر قسطلانی مصری کی تصانیف ہیں۔

(حواشی اگلے صفحہ پر)

مواہب لدنیہ سیرت النبیؐ پر اور ارشاد الساری شرح بخاری شریف، آپ ہی کی یادگار ہیں (و ۸۵۲ھ م ۹۲۳ھ)

ابن القاصح کی قرۃ العین کا خلاصہ اور الدقائق المحکمۃ مقدمہ جزریہ کی شرح دونوں کتابیں زین الدین ابو یحییٰ ذکریا بن محمد خزرجی انصاری، ازہری، قاہری، مصری شافعی، کی تصانیف ہیں، ۹۲۶ھ میں مصر میں وفات پائی، آپ ایک واسطہ سے علامہ جزری کے شاگرد ہیں، اور اس وقت روئے زمین پر قراءات اور صحاح ستہ آپ ہی کی سند سے پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے۔

گیارھویں صدی

اس صدی میں دو کتابیں تصنیف ہوئیں۔

شرح شاطبیہ: ملا علی قاری المنح الفکریہ شرح مقدمۃ الجزریۃ

دونوں کتابیں ملا علی قاری ہروی حنفی کی یادگار ہیں، آپ گیارھویں صدی کی عظیم المرتبت شخصیت ہیں، لہٰذا آپ کا تذکرہ قدرے تفصیل کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

آپ کا نام نور الدین علی بن سلطان محمد ہے، المعروف بہ ملا علی قاری، آپ ہرات کے قارہ نامی ایک گاؤں میں پیدا ہوئے، تکمیلِ علم کے شوق میں سفر کر کے مکہ معظمہ پہنچے، وہاں محققِ وقت شیخ احمد بن حجر ہیثمی، مکی، ابو الحسن البکری، شیخ قطب الدین مکی سید ذکریا حسینی، اور شیخ احمد مصری (تلمیذ قاضی ذکریا انصاری) وغیرہ سے علوم

(حواشی صفحہ گزشتہ) لہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد سیوطی ثم الاسکندری مشہور بابن ہمام و ۷۹۰ھ م ۸۶۱ھ، فتح القدیر اور مسامرہ کے اور تحریر کے مصنف ہیں، رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ۔

لہ بقول داؤد مالکی آپ کی تصانیف پانچ سو سے بھی متجاوز ہیں، فہرست تصانیف علامہ کی تالیف "حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ" میں دیکھی جا سکتی ہے۔

لہ حسن المحاضرہ۔

کی تحصیل و تکمیل کی، تفسیر، حدیث، فقہ، کلام منطق و فلسفہ غرض ہر فن میں مہارت حاصل کر کے منفرد العصر، فرید دہر، استادِ زمانہ اور محقق یگانہ تھے، علی الخصوص تحقیق و تدقیق میں آپ کا پایہ بہت بلند ہے۔

مولانا عبدالحی لکھنوی رقم طراز ہیں :

"احد صدور العلم، فرد عصرہ الباهر، السمت فی التحقیق و تنقیح العبارات"

آپ کی تصانیف آپ کی وسعتِ علمی اور محقق فرد ہونے کی شاہد ہیں، آپ صاحب تصانیف کثیرہ ہیں، اور ہر تصنیف ایسی مفید اور عمدہ کہ ان کی وجہ سے آپ کو دسویں صدی کا مجدد کہا جاتا ہے۔

مولانا عبدالحی صاحب لکھتے ہیں :

"والف التالیف الکثیرۃ اللطیفۃ المحتویۃ علی الفوائد الجلیلۃ وکلها مفیدۃ بلغته الی مرتبۃ المجددیۃ علی راس الف"

کتب فقہ میں آپ کی تصنیف "شرح نقایہ" بیحد اہم ہے، اس کے بارے میں محدث اعظم حضرت علامہ انور شاہ صاحب اکثر فرماتے تھے کہ یہ کتاب جواب ہے ان لوگوں کا جو کہتے ہیں کہ فقہ حنفی کے مسائل احادیث صحیحہ سے مبرہن نہیں ہیں اس کتاب میں تمام مسائل پر محدثانہ کلام کیا ہے۔

اسی طرح "مرقاۃ" شرح مشکوٰۃ معرکۃ الآراء تصنیف ہے

فن قرأت و تجوید میں آپ کی تصنیف شرح شاطبیہ اور منح الفکریہ شرح مقدمۃ الجزریہ، یہ بڑی اچھی کتابیں ہیں، اول الذکر شاطبیہ کی عجیب و محققانہ شرح ہے۔ اس کے مضامین سخاوی، جعبری اور ابو شامہ کی شروح سے ماخوذ ہیں، ہر شعر کی نحوی اور صرفی تحقیق کے بعد بلحاظ فن اس کا خلاصہ بیان کیا ہے، اسی طرح منح الفکریہ بھی مقدمۃ الجزریہ کی محققانہ اور بیحد مفید و عمدہ شرح ہے، اس کے علاوہ دیگر فنون میں بھی مفید اور نہایت نافع تصانیف ہیں (شرح نقایہ کے مقدمہ میں

اس کی فہرست دیکھی جاسکتی ہے۔

آپ نے ۱۰۱۴ھ میں مکہ معظمہ میں وفات پائی اور جنت المعلیٰ میں مدفون ہوئے، مصر میں آپ کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ بعد وفات چار ہزار مسلمانوں نے غائبانہ نماز جامع ازہر میں پڑھی۔

"وکانت وفاته بمکة فی شوال سنة ۱۰۱۴ھ دفن بالمحلاة و لما بلغ خبر وفاته علماء مصر صلوا علیه بجامع ازهر صلوٰة الغیبة فی مجمع حافل یجمع اربعة آلاف نسمة فاکثر" (از مقدمہ شرح نقایہ ص۲۲)

بارہویں صدی

اس صدی میں صرف دو لیکن محققانہ اور معتبر کتابیں تصنیف ہوئیں۔

اتحاف فضلاء البشر فی القراءات اربعة عشر۔ آج امت کے پاس یہی ایک ایسی کتاب ہے جس میں چودہ قرأتیں نہایت تحقیق کے ساتھ درج ہیں، یہ تصنیف احمد بن محمد دمیاطی عرف البنّا کی ہے، یہ کتاب مصر اور ہندوستان میں بہت مقبول ہے، آپ نے محرم ۱۱۱۷ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

غیث النفع فی القراءات السبع۔ نشر (للعلامہ الجزری) کے بعد ایسی محققانہ اور بدیع الترتیب کتاب جو اختصار میں نادر ہے، نہیں لکھی گئی، ہندوستان و مصر کے تمام قرار کا انحصار اسی نادر کتاب پر ہے، سید علی نوری الصفاقسی مصری کی تصنیف ہے، کسی عشرہ کے قاری کے پاس یہ دو کتابیں ہوں تو پھر وہ دوسری کتابوں سے مستغنی ہو جاتا ہے، آپ شیخ شحاذہ یمنی کے شاگرد ہیں، ۱۱۷۲ھ میں وفات پائی۔

اتحاف کی خصوصیات درج ذیل چار چیزیں منجملہ قراءات کی، دیگر کتب اتحاف کی خصوصیات میں سے ہیں:

(۱) رسمِ خطِ عثمانی کا علم ۔

(۲) جن آیات میں اختلاف ہے کہ بعض نے اس جگہ آیت شمار کی اور بعض نے نہیں کی، ان کا بیان ۔

(۳) چودہ قراءات کا بیان، نہایت تحقیق وتدقیق کے ساتھ، یعنی ضعیف وجوہ سے بالکل پرہیز کیا ہے ۔

(۴) عربیت کے لحاظ سے قراءات کی توجیہ وتحقیق، غرض کتاب نہایت جامع ہے

علاوہ ازیں موصوف علم باطن میں بھی نہایت بلند پایہ تھے، بہت سے تلامذہ بھی آپ سے اکتسابِ فیض کر کے علومِ ظاہری و باطنی میں درجۂ امامت پر فائز ہوگئے

اس کے علاوہ علاماتِ قیامت پر بھی ایک کتاب لکھی اور صرف ایک جلد میں سیرتِ حلبیہ کا خلاصہ بھی آپ ہی کی یادگار ہے، اب دنیا ایسے فاضلوں کو ترس رہی ہے ۔

تیرھویں صدی

اس صدی کی درجِ ذیل تین تصانیف کا علم ہو سکا ہے ۔

وجوہ المسفرۃ :- نثر میں نہایت اختصار کے ساتھ بہ طرز درّہ (للعلامۃ الجزری) سات کے بعد والی تین قراءات ہیں ۔

نظم قولہ تعالیٰ آلئٰن، اس میں سینتیس شعر ہیں، آلئٰن میں ورش کی وجوہ بیان کی ہیں ۔

الفوائد المعتبرۃ : یہ دس کے بعد والی چار قراءات میں ہے جو شاذ ہیں، اس کے پانچ سو بہتر ۵۷۲ اشعار ہیں، تینوں کتابیں علامہ محمد بن احمد شمس متولی کی یادگار ہیں ۔

مقدم الذکر میں ائمہ ثلاثہ کے اختلافات کا ذکر بڑی خوبی سے کیا گیا ہے ۔

اگر "اتحاف" نہ بھی ملے تو غیث النفع اور وجوہ المسفرہ سے قرارات عشرہ پڑھی جاسکتی ہیں۔

اہل فن آپ کو خاتم القراء والمحققین کہتے ہیں، آپ مصر میں شیخ القراء تھے۔ آپ کی وفات سنہ ۱۳۱۳ھ میں ہوئی۔

چودھویں صدی

اس صدی میں اب تک کی تلاش و جستجو کے بعد جو معلومات فراہم ہو سکیں اس کے مطابق تقریبًا پچاس چھوٹی بڑی کتابیں اور رسالے لکھے گئے، ابھی اس صدی کے خاتمہ میں ۲ سال باقی ہیں، مزید تصانیف کی توقع ہے۔

لیکن یہ حقیقت ہے کہ معدودے چند کتابوں کے علاوہ باقی سب فن قرأت سبعہ وعشرہ میں مستقل تصنیف نہیں ہیں۔

ان میں سے جو کتابیں مستقل قرأت سبعہ وعشرہ میں ہیں، نیز ایسے رسائل جو اپنی گوناگوں خوبیوں کے باعث خصوصیت کے مالک ہیں، ان کا تذکرہ ذیل میں اختصار کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

ارشاد المریدین۔ یہ شاطبیہ کی مختصر اور محققانہ شرح ہے۔

البھجۃ المرضیہ۔ یہ محقق ابن الجزریؒ کی درّہ کی مختصر شرح ہے۔

فتح الکریم المنان: یہ نوویؒ کی تبیان کے حاشیہ پر چھپی ہے، اور غالبًا آداب قرآن میں ہے۔

تقریب النفع: یہ قرارات سبعہ میں ہے اور محققانہ ہے۔

صریح النص: یہ روایت حفص کے اختلافی کلمات میں ہے۔

الفرائد المرتبۃ علی الفوائد المھذبۃ: اس میں حفص کی وہ وجوہ بیان کی ہیں جو طیبہ کے طریق سے ہیں۔

المطلوب: اس میں غالبًا ابو یعقوب ازرق کی وجوہ کا بیان ہے، جو روایت ورش کا ایک طریق ہے۔

شرح طیبۃ النشر مطبوعہ قاہرہ) یہ کتابیں شیخ القراء علی بن محمد عرف ضباع کی تصانیف ہیں، آپ جامع ازہر مصر کے شیخ القراء والتجوید تھے مصاحف اور کتب قرأت کی خدمت بھی آپ کے سپرد تھی۔ آپ کی بدولت مصر میں قراءت کی متعدد قدیم کتابیں طبع ہو گئیں، کبرسنی کی وجہ سے ابھی حال ہی میں علیحدہ ہوئے ہیں، بڑے پایہ کے محقق ہیں، متع اللہ المسلمین بطول بقائہ (آمین)

"سعادۃ الدارین" آیات کا شمار اور ان کا اختلاف نہایت تحقیق، جامعیت اور اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

"السیوف الساحقہ": یہ ان بے دین لوگوں کے رد میں ہے جو قراءات کے منزل من اللہ ہونے کے منکر ہیں۔

الکواکب الدریہ، اس میں ان احادیث کو جمع کیا ہے جو قرآن کے سات لغات (اور مختلف وجوہ) پر نازل ہونے کے بارے میں آئی ہیں، یہ تینوں کتابیں محمد بن علی بن خلف حسینی عرف حداد کی تصانیف ہیں، اول الذکر کی تصنیف کا کام رجب ۱۳۴۳ھ کو ختم ہوا۔

وجوہ المثانی، اس میں نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ قراءات سبعہ اور ان کی توجیہات درج ہیں۔

تنشیط الطبع (اردو میں) اس میں قراءات سبعہ میں سے ہر ہر روایت کے مشہور قواعد بتا کر پاؤ پارہ قراءات کو جمعاً پڑھنے کی ترکیب بتائی ہے اور اس کا اجراء کرایا ہے۔ دونوں کتابیں حضرت حکیم الامت مجدد الملت، مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ اسرارہم کے دریائے علم کی نہریں ہیں۔

اس ذات گرامی کو اللہ تعالےٰ نے اپنی مخلوق کی ہدایت و اصلاح ہی کے لیے پیدا فرمایا تھا، کوئی فن ایسا نہیں، جس میں حضرت کی تصانیف نہ ہوں، تجوید میں جمال القرآن، تجوید القرآن اور یادگار حق القرآن، موخر الذکر دونوں نظم میں ہیں، جامع اور مختصر ہیں، جو بالخصوص بچوں کے لیے لکھی گئی ہیں، ان کے یاد کرنے اور سمجھ لینے کے بعد طلباء بہت سے رسالوں سے بے نیاز ہو سکتے ہیں، یہ دونوں رسالے

مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ میں بھی داخل نصاب ہیں، اور جمال القرآن تو حضرت مولانا کا مشہور و معروف رسالہ ہے، اردو نہایت آسان اور سہل ہے، اختصار اور جامعیت کے ساتھ فن کی ضروریات پر مشتمل ہے۔

آپ کے مفصل حالات اشرف السوانح وغیرہ میں دیکھے جا سکتے ہیں، رجب کی سترھویں شب میں سہ شنبہ اور چہار شنبہ کے درمیان ۱۳۶۲ھ میں آپ نے وفات پائی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

شرح سبعہ اردو میں، اس میں قراء سبعہ اور ان کے رواۃ کے مختصر حالات نہایت دلچسپ پیرایہ میں درج ہیں، اس کے بعد قراءات سبعہ کے اصولی اور فرشی مسائل نہایت تحقیق کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔

شیخ القراء مولانا قاری ابو محمد محی الاسلام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ جو تا حال ایک ہی جلد چھپ سکی ہے، آپ حال ہی میں وفات پا چکے ہیں، افسوس کہ تاریخ و سن وفات معلوم نہیں۔

۲ افضل اللہ سرہ، علامہ شاطبیؒ کے قصیدہ رائیہ کی نہایت نفیس اور محققانہ شرح ہے، از شیخ الشیوخ، استاذ اساتذۃ الہند، امام الفن، المحقق، المدقق مولانا الحافظ القاری عبد الرحمن ابن محمد بشیر خاں صاحب مکی ثم الہ آبادی، تجوید میں بزبان اردو آپ کی تصنیف ہے فوائد مکیہ بھی جو اکثر مدارس میں داخل نصاب ہے، یہ بھی بہت مشہور اور نہایت جامع کتاب ہے۔

آپ کا اصلی وطن قائم گنج ضلع فرخ آباد ہے، والد صاحب ہجرت کر کے عرب تشریف لے گئے، تو ان کے ساتھ آپ اور آپ کے بڑے بھائی قاری عبد اللہ صاحب مکی، مکہ پہنچے، آپ اپنے بھائی سے تجوید و قراءت کی تکمیل کر کے ہندوستان تشریف لائے اور کانپور مولانا احمد حسن صاحب کے مدرسہ میں درس نظامی کی تکمیل فرمائی، اور کئی سال تک اسی مدرسہ میں تجوید و قراءت کے مدرس رہے، پھر شیخ عبد اللہ آپ کو الہ آباد لے گئے، وہاں ان کے مدرسہ احیاء العلوم میں سالہا سال تک درس و تدریس

فرماتے رہے، یہ مدرسہ طویل عرصہ تک علم قرأت کا مرکز رہا۔ ہندوستان وپاکستان میں آپ کے تلامذہ بہت سے ہیں ان میں سے مشہور و معروف یہ ہیں:۔

مولانا قاری ضیاء الدین صاحبؒ الہ آبادی خلاصۃ البیان (عربی) وضیاء القرأت (اردو) (م ۱۳۷۱ھ)۔

مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ الہ آبادی۔ صاحب ہدیۃ الوحید (ربیع الاول ۱۲۹۶ھ)

مولانا قاری عبدالخالق صاحب علی گڑھی صاحب تیسیرالتجوید۔ قاری عبدالمالک صاحبؒ علی گڑھی۔

مولانا قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ پرتاگڈھی سابق شیخ التجوید۔ والقراءت دارالعلوم دیوبند (م ۲۴ رشوال ۱۳۸۸ھ)

حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحبؒ مکی الہ آباد سے مولانا علیمؒ القضاۃ صاحبؒ کی طلبی پہ مدرسہ عالیہ فرقانیہ میں تشریف لائے اور یہاں ایک ہفتہ علیل رہ کر ۱۳۴۹ھ میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

توضیح العشر فی طیبۃ النشر: (اردو) میں مختصر جامع اور محققانہ کتاب ہے اس کی تصنیف ربیع الاول ۱۳۳۶ھ سے شروع ہوکر اسی سال کی رجب کی درمیانی تاریخوں (یعنی ساڑھے چار ماہ) میں ختم ہوئی۔

المعانی الجلیلہ شرح عقیلہ: رائیہ کی شرح اردو میں، اس کے اندر بھی کافی محنت اور جانفشانی کے بعد صحیح مضامین جمع کیے گئے ہیں اور لفظی تحقیق بھی درج ہے ـــــ دونوں کتابیں مولانا الحافظ القاری عبداللہ صاحب گنگوہی ثم مراد آبادی کی تصنیف ہیں، آپ ایک عرصہ تک جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد میں مسند تجوید و قرأت پر متمکن رہے، آپ نے قاری عبدالرحمٰن صاحبؒ مکی الہ آبادی اور قاری ضیاء الدین الہ آبادی سے کسب فیض کیا اور ۱۳۶۵ھ میں وفات پائی اللھم اغفرلہ وارحمہ۔

تنویر شرح تیسیر: یہ فن کے زبردست امام علامہ ابوعمر دانی کی مشہور کتاب

التیسیر،، کی اردو شرح ہے جو نہایت محنت، جان فشانی اور پوری تحقیق سے لکھی گئی ہے وہ ہر طور مکمل ہے، مصنف کی یہ خدمت لائق قدر و تحسین ہے از مولانا حافظ قاری رحیم بخش صاحب پانی پتی صدر مدرس درجۂ قراءت مدرسہ عربیہ خیر المدارس ملتان فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

عنایات رحمانی، قصیدۂ شاطبیہ کی اردو شرح اور اسھل الموارد۔ قصیدہ رائیہ کی شرح۔ کاشف العسر شرح ناظمۃ الزہر۔

شاطبیہ کی اب تک جتنی شروحات لکھی گئی ہیں وہ سب عربی میں ہیں جن سے عربی دان حضرات ہی استفادہ کر سکتے ہیں۔ سلیس اور آسان اردو زبان میں اس کی کوئی شرح نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر اور احسان ہے کہ اس کی توفیق سے اس کمی کو مولانا قاری المقری فتح محمد صاحب اعمیٰ پانی پتی مدظلہٗ العالی نے باحسن وجوہ پورا کر دیا اور بڑی کاوش، کامل تحقیق کے ساتھ نہایت عمدہ پیرایہ میں پورے قصیدے کی شرح تین ضخیم جلدوں میں لکھ دی۔

قاری صاحب موصوف فن تجوید میں ماہر اور زمانہ کے مغتنمات میں سے ایک ہیں۔ یہ شرح بلاشبہ محض توفیق الٰہی ہے کہ آنکھوں سے معذوری کے باوجود اتنی بڑی علمی خدمت انجام دی۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء۔

مقدمہ میں اصطلاحات قصیدہ کی تشریح نہایت وضاحت کے ساتھ کی ہے قراء اور ان کے رواۃ کے نام و حالات کے علاوہ ضروری فوائد اور مضامین بڑے آسان انداز میں بیان فرمائے ہیں غرض کہ پوری کتاب تحقیق کے ساتھ لکھی ہے۔

بلاشبہ اس ایک شرح کا مطالعہ متعدد شروحات کے قائم مقام ہے راقم کے مطالعہ میں عرصہ سے یہ قیمتی اور مفید شرح ہے اور زیر نظر تالیف میں اس سے کافی استفادہ کیا ہے۔

تیسیر الطبع فی اجراء السبع۔ اردو میں ہے، اس کے اصول و فروش کے بیان کے بعد سات پارے کا اجراء بھی کر دیا ہے۔ ابھی ایک جلد طبع ہو سکی

ہے جس کا مطالعہ راقم کر چکا ہے خدا کرے باقی حصے بھی چھپ جائیں ۔ یہ اور تجویدیہ میں دو کتابیں مفید الاطفال اور تحفۃ الاطفال کی شرح اردو میں مفید الاقوال، تینوں مولانا قاری محمد حسین صاحب مالیگانوی مدرس مدرسہ عربیہ بیت العلوم شہر مالیگاؤں کی تصنیف ہیں ۔

کاشف الابہام ۔ یہ حمزہ اور ہشام کی ان وقفی وجوہ میں ہے جو کلمات مہموزہ میں بوقت وقف پیدا ہوتی ہے ۔

ضیاء البرہان فی الجواب علی خط القرآن ۔ قرآن کے غیر قیاسی رسم کا ایک عالم نے انکار کیا ہے ۔ اس رسالہ میں اس کا مدلل جواب ہے ۔ یہ دونوں اور اسی طرح کی ایک درجن سے زائد مفید ترین کتب تجوید جناب مولانا قاری المقری ابن ضیاء محب الدین احمد صاحب الہ آبادی (۱۹۰۴ء) مدظلہ العالی کی تصنیف ہیں، آپ علامہ قاری المقری ضیاء الدین احمد صاحب الہ آبادی کے چھوٹے صاحبزادے ہیں اور بلاشبہ آپ الولد سر لابیہ کے حقیقی مصداق ہیں علمی دنیا آپ کی ذات گرامی سے بخوبی واقف ہے، فن قراءت وتجوید پر آپ کی تصنیف کے مطالعہ کے بعد علم کے قدرداں اس اعتراف پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ حق تعالے نے فن کی تصنیفات اسکے لیے خصوصی ملکہ اور پورا سلیقہ عطا فرمایا ہے، اور اسی کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ عبارت نہایت آسان، خالی از حشو وزوائد اور علمی مضامین سے پُر ہوتی ہے ۔

" صاحب عنایات رحمانی ،، آپ کے بارے میں رطب اللسان ہیں، فرماتے ہیں: شاطبیہ کی وہ شرح جس کے کام میں میں مصروف ہوں اس کو بھی موصوف ہی تصنیف فرماتے: اس صورت میں یہ شرح نہایت نفیس اور جامع ہوتی، آگے لکھتے ہیں " اگر شرح شاطبی میری زندگی میں پوری نہ ہو سکی تو موصوف اس کو اسی طرز پہ پوری فرمائیں گے، آپ کے تلامذہ کا حلقہ بھی نہایت وسیع ہے عرصہ دراز تک آپ مدرسہ سبحانیہ الہ آباد کے مدرس اور خطیب وامام جامع مسجد الہ آباد تھے ۔ لیکن اب کئی سال سے حاجی فقیر محمد صاحب اینڈ سنس بانی مدرسہ

تجوید الفرقان لکھنؤ کے مدرسہ میں مدرس ہیں۔ راقم حضرت والا سے شرفِ ملاقات حاصل کر چکا ہے۔ راقم کی درخواست پر موصوف نے آیات "اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ ..... الی اخر السورۃ" کی تلاوت فرما کر محظوظ فرمایا۔

ضعف و پیرانہ سالی کے باعث اب سلسلۂ مشق و تمرین نہیں ہے مگر سبعہ کے طلبہ کا درس اب بھی جاری ہے۔ اور آپ تشنگانِ فن کی سیرابی کا سامان ہیں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی حیات میں برکت عطا فرمائے اور آپ کا ظل ہمایوں صحت کے ساتھ تا دیر ہمارے سروں پر قائم رکھے (آمین)

احیاء المعانی: (اردو میں) از حضرت مولانا الحافظ القاری المقری ظہیر الدین صاحب معروفی اعظمی مدظلہ العالی۔ ضلع اعظم گڈھ شیراز ہند جونپور کے قرب کے اثر سے دینی و اسلامی علوم اور اصحاب علم و کمال کا مرکز رہا ہے۔ اس ضلع میں مراکز و مدارس اسلامیہ جس کثرت سے پائے جاتے ہیں شاید ہی اس تناسب سے دوسرے اضلاع میں موجود ہوں، اس کے قصبات، مئو، مبارک پور، چڑیا کوٹ، سرائے میر، گھوسی بھیرہ ولید پور اور پورہ معروف میں بڑے بڑے علماء و فضلاء و مشائخ پیدا ہوئے۔ بالخصوص پورہ معروف میں علماء کی جو کثرت ہے، اس تناسب سے تو موجودہ زمانہ میں کسی بھی آبادی میں اتنے اہلِ علم موجود نہ ہوں گے۔

اس چھوٹے سے قصبہ میں اس وقت مشکل سے ایک ہزار مسلم گھر ہوں گے، جس میں علماء دین کی تعداد صدہا سے متجاوز ہے، حفاظ قرآن بھی تقریباً اسی تعداد میں ہیں قراء اور مجودین کی تو ایک بڑی اور خاصی تعداد ہے۔

سرزمین پورہ معروف پر اللہ جل شانہ کا بہت بڑا فضل و احسان ہے کہ اسے یہ اعزاز حاصل ہوا، مولانا قاری المقری ظہیر الدین صاحب مدظلہ، اسی مردم خیز ضلع اعظم گڈھ کی آبادی پورہ معروف میں شب سہ شنبہ ۱۴ محرم ۱۳۳۱ھ مطابق ۲۴ دسمبر ۱۹۱۲ھ کو پیدا ہوئے، شعبان ۱۳۴۵ھ بعمر ۱۴ سال پورہ معروف میں قرآن کریم حفظ کیا، ۱۳۴۵ھ سے ۱۳۵۱ھ تک فارسی کی تمام تر تعلیم اور عربی کی کتابیں کافیہ

قدوری وغیرہ مدرسہ معروفیہ پورہ معروف میں پڑھیں، پھر ۱۳۵۱ھ سے ۱۳۵۴ھ تک ہدایہ تک کی تعلیم کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا قاری المقری (مصنف خلاصۃ التجوید) ریاست علی نعمانی بحری آبادی ثم الاعظمی (متوفی ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ) سے مشرقی یوپی کی مشہور درسگاہ دارالعلوم میں روایت حفص کی تکمیل کی شوال ۱۳۹۴ھ سے شعبان ۱۳۵۶ھ تک مدرسہ سبحانیہ شہر الہ آباد میں رہے اور وہاں امام فن فخر القرار حضرت مولانا قاری المقری محب الدین صاحب مدظلہ سے قرارت سبعہ اور قصیدہ شاطبیہ التیسیر عقلیہ وغیرہ، اس کے بعد قرارت ثلثہ متمم عشرہ مع کتب درسیہ یعنی وجوہ المسفرہ الدرۃ المضیئہ وغیرہ کی تکمیل کی، ایک سال بعد عارف باللہ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری (م ۔۔۔۔۔) خلیفہ حضرت تھانویؒ کی خدمت میں کچھ دنوں رہ کر درس حدیث لیا۔

استاذ محترم قاری محب الدین صاحب کے حکم سے کچھ دنوں بنارس میں کچھ عربی کتابوں اور قرارت کی تعلیم دی، اس کے بعد ۱۳۵۸ھ سے تقریباً ڈھائی سال مدرسہ روضۃ العلوم پھولپور اعظم گڈھ میں تعلیم دی، گورکھپور شہر کے ایک مدرسہ میں بھی تقریباً ڈیڑھ سال مدرسی کی، اس کے بعد یکم ذیقعدہ ۱۳۶۳ھ سے شوال ۱۳۸۳ھ تک ۲۰ برس اعظم گڈھ کی مشہور درس گاہ جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور میں مدرس رہے اور یہ کہنا خالی از مبالغہ نہ ہوگا کہ مبارکپور میں گھر گھر قاری پیدا کر دیا۔

مدیر البلاغ بمبئی مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری رقم طراز ہیں:

"محترم موصوف ان خوش نصیب لوگوں میں ہیں جن کو ہندوستان کے قاریوں اور مقریوں کے سلسلۃ الذہب میں داخل ہونے کا فخر حاصل ہے۔

آپ نے جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور میں بیٹھ کر فن قرارت کی خدمت کا بیڑا اٹھایا۔ اللہ تعالیٰ نے بڑی خیر و برکت دی، سینکڑوں

طلبہ آپ سے فیضیاب ہوئے، کتنے عوام نے آپ سے اس فن کی تکمیل کی۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آپ نے اس جگہ رہ کر خدمتِ قرآن مجید کا ایک لافانی شاہکار قائم کیا اور احیاء المعانی کے نام سے علمِ قراءت میں ایک نہایت جامع اور مفید ترین کتاب اختلافات سبعہ میں تالیف کی، بلاشبہ یہ کتاب فنِ قراءت کا وہ دروازہ ہے جس کے کھلنے کے بعد تمام متعلقہ مسائل سے واقفیت آسان ہو جاتی ہے۔

اس کتاب کے متعلق مولانا قاری محب الدین صاحب مدظلہ ارشاد فرماتے ہیں:

"اس فن میں بزبانِ اردو ایسی کتاب میری نظر سے نہیں گذری جو پوری جامعیت کے ساتھ طریقِ شاطبی کی پوری حامل ہو، اس کتاب کو نہایت ہی مدلل و مفصل تحریر کیا ہے، حتی الامکان غیر ضروری اختلافات سے گریز کیا ہے نیز وجہ ضعیف و غیر مقروء سے بھی احتراز کیا ہے، ہر مسئلہ کو بڑی چھان بین کرنے کے بعد لکھا ہے۔"

اردو داں حضرات کو قراءات سبعہ کا پڑھنا اس کتاب کے ذریعہ بہت آسان ہے اور اس کا تجربہ بھی کیا جا چکا ہے، اوائل ذیقعدہ ۱۳۸۳ھ سے ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ تک مدرسہ اشاعت العلوم معروف پورہ میں قراءت و تجوید کی تعلیم دی، افسوس کہ علالت ضعف اور پیرانہ سالی کی وجہ سے مدرسہ کی مدرسی ترک ہوگئی لیکن اس کے باوجود مکان پر اب بھی کچھ نہ کچھ سلسلہ جاری ہے، اور شائقین فن آپ سے مستفید ہوتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ موصوف کو صحت دے اور تادیر آپ کا سایہ مبارک ہمارے سروں پر باقی رکھے۔ "آمین"

تذکرہ قاریانِ ہند۔ یہ کتاب تین جلدوں میں قراء کے حالات میں لکھی گئی ہے اور اپنے موضوع پر ایک انسائیکلوپیڈیا کی شان رکھتی ہے۔

ایک فرد واحد قاری و مقری کرنل عزالسمم اللہ بیگ (و ۱۳۲۰ھ) ابن مرزا

محمد علی بیگؒ کی بارہ سالہ محنت اور کاوشش کا ثمرہ ہے، اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا عبد الماجد صاحب دریا بادی مرحوم لکھتے ہیں :

"تذکرہ قاریان ہند" جیساکہ موضوع نام سے ظاہر ہے قراء کے حالات میں لکھی ہے، تجوید وقرأت مسلمانوں کا خصوصی فن ہے، محرومی کے اس ماحول میں شیطان کو اپنے فن (آرٹ) راگ ونغمہ کے چلانے اور پھیلانے کا موقعہ مل گیا ہے۔ اردو میں تو خیر اس بسط وتفصیل کے ساتھ اس فن شریف کی تاریخ کیا لکھی جاتی دنیا کی کسی زبان میں اس ٹکر کی کتاب کا پتہ غالباً نہ مل سکے۔"

مذکورہ بالا تبصرہ اس کتاب کی اہمیت وافادیت کے لیے کافی ہے۔

تعجب اس بات پر ہوتا ہے کہ ایک فوجی افسر کو کس طرح ایسی عالمانہ اور صبر آزما تحقیق کا شوق پیدا ہوا، کس طرح اس شوق کی تکمیل کی اور اس تالیف کی توفیق ہوئی، بلاشبہ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء

اس سلسلہ میں مؤلف کے الفاظ جو انہوں نے کتاب کی تمہید میں تحریر فرمائے ہیں، ملاحظہ ہوں!

"کوئی بیس سال ہوئے کہ قاری حافظ ابو محمد محی الاسلام پانی پتی کی شرح سبعہ قرارت پڑھنے کا اتفاق ہوا، اس کے دیباچہ میں حضرت نے لکھا ہے :

"قراء کے حالات قلمبند کرنے میں عالم اسلام نے جو خدمت انجام دی اس میں اوّلیت کا فخر اندلس کو حاصل ہے، مگر ہندوستان نے قرائت اور قراء کے بارے میں کچھ نہ لکھا، ہندوستان کے سلاطین وامراء کی تاریخیں لکھی گئیں، شاعروں عالموں خطیبوں، حتیٰ کہ گویوں کے تذکرے تالیف ہوئے، مگر خدام کلام اللہ کا کسی نے نام بھی نہ لیا۔

مصنفِ تذکرہ لکھتے ہیں کہ حضرت کی یہ بات میرے دل میں چبھ گئی، اس وقت سے خیال تھا کہ بن پڑے تو قراء کرام کے حالات جمع کروں مگر فرصت کی کمی نے تکمیل کا موقعہ نہ دیا۔ اب جو فرصت ملی تو آہستہ آہستہ میں نے یہ حالات جمع کیے۔"

اس عظیم اور اہم کام میں جو دقتیں اور دشواریاں پیش آئیں، مصنف کے الفاظ اس کے بارے میں یہ ہیں :

" قراء کے نام اور حالات ملنے میں ایک دقت یہ ہوتی ہے کہ ہندوستان کی تاریخ لکھنے والے بیشتر مؤرخین نے تجوید و قرأت کو ایک علیحدہ اور مستقل فن کی حیثیت نہیں دی، بلکہ اس فن کو علوم قرآنی کا ایک جزو سمجھ کر صاحب فن کے متعلق یہ لکھ دیا کہ جملہ علوم معقولی اور منقولی میں کمال حاصل کیا، میں نے قراء کے حالات جمع کرنے میں یہ احتیاط پیش نظر رکھی ہے کہ ایسے عالم کو جس کا ذکر اس اجمال سے ہو اس کو فہرست میں شامل نہیں کیا تاوقتیکہ اس کے متعلق تجوید و قرأت سیکھنے کی سند نہ ملی، اس کا افسوس ہے کہ اس طرح بہت سے علماء کے نام نظر انداز کرنے پڑے، تاہم میں نے ہر ہر قدم پر کاوشیں کیں، ہر عالم کے متعلق متعدد کتابوں کا مطالعہ کیا، ہندوستان کے تقریباً سب ہی کتب خانوں کو چھانا، تجوید کی قلمی کتابیں قرآن مجید کے قلمی نسخے، نیز سبعہ و عشرہ کے حاشیہ والے قرآن مجید کے نسخوں کو بچشم خود دیکھا اور ان کا ذکر بھی اس تالیف میں کر دیا۔ کیونکہ اس سے قراء کے کام اور حالات پر کافی روشنی پڑتی ہے، غرض بارہ سال کی مسلسل محنت سے اس اس تالیف کی ایک شکل بنی۔

مصنف کو قراء کے حالات جمع کرنے میں کیا کچھ محنت شاقہ برداشت کرنی پڑی ہوگی اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں اس طرح کے تحقیقی کاموں سے سابقہ اور واسطہ پڑا ہو، اس سلسلے میں مصنفؒ کو متعدد واقعات کا سامنا کرنا پڑا ہے، جن کا ذکر بخیال طوالت قلم انداز کیا جاتا ہے۔

بلاشبہ مرزا صاحب فن تجوید و قرأت کے ماہر تھے، اور اس فن سے عاشقانہ تعلق تھا، آپ کے تلامذہ کی تعداد کئی سو تک ہے، موصوف کا اوّلاً انتخاب محکمہ فوج میں کیڈٹ کی خدمت پر ہوا، فوج میں اپنی حسن کارگذاری اور فرائض کی انجام دہی کی وجہ سے کرنل کے عہدے تک پہنچ گئے اور پھر پولیس ایکشن کے فوراً

بعد ۱۳۶۸ھ میں وظیفۂ حسن خدمت حاصل کر کے سبکدوش ہو گئے،

فوج سے ریٹائر ہونے کے بعد آپ کا قیام دھوراجی میں جامع مسجد میں امام و خطیب کی حیثیت سے تھا، علالت کے بعد حیدر آباد کے ایک اسپتال میں داخل ہوئے، وہاں پیٹ کا اپریشن کیا گیا، آٹھ دس روز بعد وہیں نماز عشا تیمم کر کے لیٹے لیٹے ادا کر رہے تھے کہ اسی حالت میں ۲۷ اپریل ۱۹۷۵ء کو طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا، اس طرح یہ ماہر قرأت و تجوید، علم قرأت کی انسائیکلوپیڈیا کا نیاز کنندہ تین ضخیم جلدوں میں "تذکرۂ قاریانِ ہند" کا مصنف صدہا تلامذہ کا انتہائی شفیق استاذ اور خوش انجام قاریِ قرآن اپنے رب سے جا ملا۔ اِنّا للہ و انا الیہ راجعون، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ"

"آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے"

مرحوم نے انتقال سے کچھ دیر قبل اپنے فرزندوں سے فرمایا تھا" اب ہم جاتے ہیں ہمارا کوئی کام باقی نہیں رہا" آخری لڑکی کی شادی چند ماہ قبل کر چکے تھے، آپ فوج کی خدمت کے دور میں بھی نماز کے سخت پابند تھے، اور روزانہ بلا ناغہ ایک منزل قرآن کی تلاوت کرتے تھے،

(ماخوذ از مقدمہ و تمہید تذکرہ مذکرہ)

تراجم

علامہ دانیؒ ——— وشاطبیؒ ——— وجزریؒ

پانچویں، چھٹی اور نویں صدی کے ذیل میں جن عظیم ہستیوں کا ذکر اختصاراً گذرا ہے، ان کی نابغیت اور عبقریت کے پیش نظر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے تذکرے قدرے تفصیل کے ساتھ دیئے جائیں۔

رأس المقربین

علامہ عثمان دانی اندلسیؒ

شیخ ابوعمرو عثمان ابن سعید بن عمر الدانی اندلسی ۳۷۱ھ اندلس کے قصبہ دانیہ میں پیدا ہوئے، اسی مناسبت سے آپ دانی کہلاتے ہیں، دانیہ جو ایک زمانہ تک بہت سے علوم اور علماء کا ملین و ماہرین کا مرکز رہا ہے۔

آپ فن قراءت کے امام، حدیث، طرق حدیث اور اسماء الرجال کے ماہر، جید الحفظ، ذکی و ذہین، متقی و پرہیزگار اور مستجاب الدعوات تھے۔

آپ نے پہلے اپنے ملک میں ۳۸۶ھ میں تحصیل علم کا آغاز کیا پھر ۳۹۷ھ میں بغرض تکمیل مشرق کا سفر کیا، اور چار ماہ قیروان میں، ایک سال مصر میں، ایک سال حجاز، مکہ اور مدینہ اور کسی قدر دیگر مقامات میں قیام کیا۔

آپ نے امام ابو القاسم عبد العزیز فارسیؒ، شیخ القراء ابو الفتحؒ، امام ابو الحسنؒ اور امام ابو القاسم خاقانی سے قراءات پڑھیں اور حدیث و قراءات کی تکمیل کے بعد ۳۹۹ھ کے ختم پر واپس اندلس پہنچے، آپ علوم کے جامع اور حافظ، بڑی شان کے محقق تھے۔

بعض شیوخ کہتے ہیں کہ حفظ و تحقیق میں نہ اس وقت کوئی آپ کے برابر تھا اور نہ بعد میں پیدا ہوا۔

صاحب مفتاح السعادہ احمد مصطفےٰ طاش کبریٰ زادہ آپ کا تعارف بایں الفاظ کراتے ہیں:

"کان احد الأئمۃ فی علم القرآن ورواتہ و تفسیرہ ومعانیہ وطرقہ واعرابہ

آپ علمِ قرآن، اس کی روایات، تفسیر اور اس کے معانی، طرق اور اعراب کے امام تھے (خود فرماتے ہیں کہ میں نے جو کچھ دیکھا اسے لکھ لیا اور جو لکھا وہ یاد ہو گیا اور جو یاد ہو گیا اسے کبھی نہیں بھولا۔

علامہ ذہبیؒ کہتے ہیں کہ اتقان و تحقیق کے لحاظ سے قراءات آپ پر منتہی ہوتی ہیں، بعد کے قراء آپ کے پیرو اور مقلد ہیں اور آپ کی تحقیق پر اعتماد کرتے ہیں۔

بہت سے علوم میں ایک سو بیس[120] کتابیں لکھیں۔

جامع البیان جس میں پانچسو[500] طرق و روایات درج ہیں، تمہید، مفردہ یعقوب، الایجاز، الموضح فتح وامالہ کے بیان میں، المحتوی، قراءات شاذہ میں، المقنع رسم میں، طبقات القراء، التیسیر، جو قراءات سبعہ کی مایۂ ناز کتاب ہے اور سوا نو سو سال سے اختلاف قراءت جاننے والوں کے لیے سنگ میل کا کام دیتی ہے اور دوسری بہت سی کتابیں صرف قراءات اور ان کے متعلقات پر یادگار ہیں۔

وسط شوال ۴۴۴ھ میں تقریباً بعمر چوہتر سال اپنے وطن دانیہ میں وفات پائی، رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

اس وقت روئے زمین پر قراءات آپ ہی کی سند سے پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں۔ (از شرح سبعہ)

علّامہ شاطبیؒ اندلسی

نام ونسب: آپ کا اسم گرامی قاسم[1] ہے اور کنیت ابوالقاسم اور ابومحمد ہے۔ والد کا نام فیرہ ہے، پس آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے، ابوالقاسم ابن فیرہ[2] بن خلف بن احمد عینی شاطبی اندلسی، آپ اندلس کی مردم خیز بستی شاطبیہ میں ۵۳۸ھ میں پیدا ہوئے ـــ آپ نے قرات ابوالحسن علی بن ہذیل سے انہوں نے ابوداؤد سلیمان نجاح سے اور انہوں نے مصنف تیسیر علامہ ابوعمرو عثمان بن سعید دانی سے پڑھی، نیز آپ نے عبداللہ محمد بن العاص النفری سے قرات پڑھی اور انہوں نے اپنے زمانے کے شیوخ کبار[3] سے پڑھی۔

اس پر اتفاق ہے کہ آپ اپنے زمانہ میں اپنے فن کے امام تھے، نیز قرات وتفسیر میں امام اور حدیث کے حافظ تھے۔ قوت حافظہ کا یہ عالم تھا کہ آپ کے حافظہ سے لوگ مسلم وبخاری کے نسخوں کی تصحیح کرتے تھے، اور ان نسخوں میں تصحیح الفاظ کے ساتھ آپ بکثرت علمی نکات بھی لکھواتے تھے۔

---

[1] کذا فی النشر

[2] ابن فیرہ بکسر الفاء وسکون الیا المدودہ وتشدید الراء المضمومۃ بلغۃ اعاجم الاندلس ومعناہ بالعربی الحدید بالحاء المہملہ، غیث النفع صہ ۲

[3] کما ورد فی ارشاد المرید الی مقصود القصید "اخذ القراءات عن الامام ابوالحسن علی بن ھذیل البلنسی عن الامام ابی داؤد سلیمان بن نجاح عن الامام ابی عمرو عثمان بن سعید الدانی مصنف کتاب التیسیر واخذ ایضاً عن الامام ابی عبداللہ محمد بن العاص النفری اجلاء وقتہ" صہ ۲،۳)

[4] علامہ دانی کی سند "تیسیر" میں مذکور ہے۔

علاوہ ازیں آپ نحو کے استاذ اور تعبیر میں بھی ماہر تھے۔

ملا علی قاری آپ کا تعارف درج ذیل الفاظ سے کراتے ہیں :۔

کان اماماً فی القراءۃ والتفسیر، حافظاً فی الحدیث یصحح نسخ البخاری ومسلم من حفظہ ویملأ النکت علی المواضع المحتاج الیہا، استاذاً فی العربیۃ، عارفاً بعلم الرؤیا،

(شرح شاطبیہ ملا علی قاری ص۳)

احترام علوم و ادب کا یہ عالم تھا کہ پڑھاتے وقت باوضو پُرتکلف اور عمدہ لباس میں نہایت ادب انکسار، عاجزی، خشوع وخضوع سے بیٹھتے تھے، آپ بہت ہی بافیض تھے، مشہور مؤرخ صاحب "وفیات الاعیان" قاضی شمس الدین احمد بن محمد المعروف بہ بابن خلکان (م ۶۸۱ھ) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالٰی نے آپ کی ذات سے ایک عالم کو فیض پہنچایا، میں نے مصر میں ان کے بہت سے تلامذہ دیکھے ہیں۔

آپ نابینا تھے لیکن کمال درجہ کے ذہین و فہیم ہونے کے باعث نابیناؤں کی سی حرکات آپ سے ظاہر نہیں ہوتی تھیں، آپ کو اپنی حالت وطبنیت پر ضبط وصبر اس قدر تھا کہ سخت بیماری میں بھی جزع وفزع اور آہ وبکا کے بجائے عیادت کرنے والے کے جواب میں " العافیہ" فرمادیتے۔

آپ صاحب کشف وکرامات تھے، بہت سی کرامات آپ کی مشہور ہیں، از انجملہ ایک یہ بھی ہے کہ آپ کے پاس بیٹھنے والے اذان کی آواز بغیر مؤذن کے غیبی طور پر سن لیتے تھے، فضول کلام سے پرہیز کرتے تھے، طلبہ کو قرآن اور علم کے سوا اور دوسری چیزوں میں غور وخوض کرنے سے منع فرماتے تھے۔

کشف کے سبب اپنے تلامذہ کو بہت سی مخفی اور پوشیدہ باتیں بھی بتا دیتے تھے۔

علامہ جزری رح نے اپنے شیخ الشیوخ سے نقل کیا ہے کہ امام شاطبی رح نماز فجر مدرسہ فاضلیہ[1] میں خوب سویرے پڑھ کر پڑھانے کے لیے بیٹھ جاتے تھے اور صرف یہ

---

[1] (اگلے صفحہ پر)

کہہ کر "جو پہلے آیا ہے وہ پڑھے" شروع کر دیتے تھے، اس کے بعد الاسبق فالاسبق قرارت ہوتی تھی ـــــ ایک روز موصوف نے خلافِ عادت یوں کہا کہ جو دوسرے نمبر پر آیا ہے وہ پڑھے، اس نے قرارت شروع کردی اور جو پہلے آیا تھا وہ پڑھنے سے رہ گیا، اب حاضرین میں سے کسی کو معلوم نہیں کہ اس سے کونسا قصور سرزد ہوا مگر اسے یاد آیا کہ رات احتلام ہو گیا تھا جو شرکتِ درس کی تیاری کے باعث یاد نہیں رہا۔ وہ بیچارہ فوراً غسل کر کے حاضر ہوا تو امام صاحبؒ نے کہا، جو سب سے پہلے آیا تھا، وہ پڑھے، سبحان اللہ کتنی عجیب کرامت ہے۔

قصیدہ شاطبیہ کے مشہور شارح ملا علی قاریؒ رقمطراز ہیں:

لہ کرامات کثیرۃ شہیرۃ ویسمع الاذان من غیر المؤذن کرامۃ لدیہ ولا یتکلم الا بما تدعوا الضرورۃ الیہ ولا یجلس للاقراء الا علی طہارۃ فی ہیئۃ حسنۃ وخضوع واستکانۃ وکان ضریرًا ومع ذالک لا یظہر منہ لذکائہ وفطانتہ ما یظہر من الاعمی فی حرکاتہ وکان یعتل العلۃ الشدیدۃ ولا یشتکی ولا یتأوہ واذا سئل عن حالہ قال "العافیۃ" ولا یزید علی ذالک" ص۴۳

قصیدہ شاطبیہ

آپ کی تصانیف میں چار مشہور قصائد ہیں جن میں قصیدہ شاطبیہ لامیہ سب سے زیادہ مشہور ہے جس کا اصل نام "حرز الامانی ووجہ التہانی" ہے اس میں گیارہ سو تہتر اشعار ہیں[۱]

(حاشیہ ص۱۶۴) ۵۷۲ھ میں جب علامہ شاطبیؒ مصر گئے، اور سلطان صلاح الدین ایوبی کے وزیر قاضی فاضل کے مہمان ہوئے تو وزیر نے عزیزانہ اور باکمال مہمان کی ضیافت اور اعزاز میں ان کے لیے بطورِ خاص ایک مدرسہ تعمیر کرایا، آپ اس مدرسہ میں قرآن، قرات، نحو ولغت کی تعلیم دیتے رہے۔ [۱] (اگلے صفحہ پر)

جس میں علامہ دانی رح کی شہرہ آفاق تصنیف "التیسیر" مع اضافہ کے نرالے طرز پر نہایت عمدگی کے ساتھ نظم کے قالب میں وڈھالا ہے۔

علامہ قرطبی رح سے منقول ہے کہ آپ جب مشہور قصیدہ شاطبیہ کی تصنیف سے فارغ ہو چکے تو اس کو لیکر کعبۃ اللہ شریف کے گرد بارہ ہزار طواف کیے اور جب بھی مقامات دعا پر پہنچتے، یہ دعا پڑھتے: "اللھم فاطر السموٰت والارض عالم الغیب والشھادۃ رب ھٰذا البیت العظیم انفع بھا کل من قرأھا"۔

ناظم علام سے منقول ہے کہ آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت نصیب ہوئی تو سامنے کھڑے ہوئے، خدمت بابرکت میں سلام پیش کیا اور عرض کیا" یاسیدی! یارسول اللہ! اس قصیدے پر نظر فرمایئے، آنحضور نے اسے اپنے دست مبارک میں لیا اور ارشاد فرمایا: ھی مبارکۃ من حفظھا دخل الجنۃ۔

(حاشیہ ص۱۶۵) لے کما قال الشاطبی فی قصیدتہ ۱۱۶۰ ۔ وابیاتھا الف تزید ثلاثۃ ومع مائۃ سبعین زھرا وکملا - یہ عدد قصیدہ کے پہلے شعر "بدأت" سے قصیدہ کے آخری کلمہ یعنی "تونفلا" پر ہوتا ہے، مصنفین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنے قصائد اور نظموں کے آخر میں اشعار کی تعداد بتا دیتے ہیں، تاکہ کوئی اپنی جانب سے حک واضافہ نہ کر سکے، ناظم رح نے اپنی دیگر کتب رائیہ فی الرسم اور ناظمۃ الزہر فی عدد الآیات میں بھی ایسا ہی کیا ہے۔ رائیہ میں جیسا شعر ۲۹۸ ۔

شعون مع مائتین مع ثمانیۃ

ابیاتھا ینتظمن الدرر والد ارا

اور ناظمۃ الزہر میں جیسے ۔ وابیاتھا شعون مع مائتین قل

وزد سبعۃ تحکی اللجین مع الدرر

نیز علامہ جزری رح نے بھی مقدمۃ الجزریہ کے آخر میں ایسا ہی کیا ہے ۔

ابیاتھا قاف وزای فی العدد   من یحسن التجوید یظفر بالرشید

علامہ قرطبیؒ نے اتنا اور اضافہ کیا ہے " بل من مات وھی فی بیتہ دخل الجنۃ ۔
کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو اس حالت میں مرے کہ اس کے گھر میں یہ قصیدہ ہو وہ بھی جنت میں داخل ہوگا۔[1]

دوسری تصانیف: قصیدہ شاطبیہ لامیہ کے علاوہ دوسرے قصائد میں رائیہ ہے، جو مصحفِ عثمانی کے رسم الخط میں ہے اور فن قرأت کے نصاب میں شاطبیہ کے ساتھ داخل ہے، اس کے اندر دو سو اٹھانوے (۲۹۸) اشعار ہیں تیسرا قصیدہ ناظمۃ الزہر ہے، یہ دو سو ستانوے (۲۹۷) اشعار ہیں اس کے اندر آیات کا شمار اور ان کا اختلاف بیان کیا ہے، چوتھا قصیدہ دالیہ ہے، اس کے پانچسو (۵۰۰) اشعار ہیں، اس کے اندر آپ نے ابن عبدالبر کی تمہید کا خلاصہ کیا ہے جو بارہ جلدوں میں تھی۔

قصیدہ شاطبیہ، لامیہ ورائیہ کی خصوصیات

اگرچہ قرأت کو نظم میں لکھنے کے موجد ابوالحسن حصری ہیں لیکن پوری قرأت سبعہ کو سب سے پہلے آپ ہی نے نظم کیا ہے۔
آپ کے زمانہ میں اور آپ کے بعد بھی بہت سے ائمہ فن نے قرأت پر قصائد لکھے ہیں، لیکن واقعہ ہے کہ کوئی قصیدۂ شاطبیہ کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکا۔
علامہ المحقق جزریؒ صاحب " النشر" فرماتے ہیں کہ جس شخص نے آپ کے دونوں

[1] ملا علی قاری نقل کرتے ہیں۔ وقد نقل القرطبی رح ان الشاطبی رح لما فرغ من تصنیفھا طاف بھا حول الکعبۃ الشریفۃ اثنی عشر الف اسبوع کلما جاء فی اماکن الدعاء قال اللھم فاطر السموٰت والارض عالم الغیب والشھادۃ رب ھذا البیت العظیم انفع بھا کل من قراءھا روی عنہ ایضًا انہ رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام فقام بین یدیہ وسلم علیہ وقال یا سیدی یارسول اللہ انظر ھذہ القصیدۃ فتناولھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم بیدہ المبارکۃ وقال ھی مبارکۃ من حفظھا دخل الجنۃ، زاد القرطبی من مات وھی فی بیتہ دخل الجنۃ ص ۴۲۱،۴۲۲

قصیدے پڑھے، اس نے آپ کے وہبی علم سے غیر معمولی فائدہ اُٹھایا، علی الخصوص قصیدہٗ لامیہ جس کے سامنے فصحار اور بلغار نے گھٹنے ٹیک دیئے،

صاحب مفتاح السعادہ طاش کبری زادہ (م ۹۶۲ھ) شاطبیہ کے متعلق رقمطراز ہیں،

ھی قصیدۃ التی صارت	یعنی یہ وہ قصیدہ ہے جو ملکوں ملکوں
فی الامصار وطارت فی	اور شہروں شہروں پھیلا اور ہر زمانہ
الاقطار وصار الی قبولھا	کے علمار نے اس کو قبول کیا۔

علماء الاعصار

متأخرین کا اس پر اتفاق ہے کہ شاطبیہ کے بغیر قرارت سبعہ پر کامل عبور حاصل نہیں ہو سکتا، اس عجیب وغریب قصیدہ کی خوبیوں اور لذتوں سے پوری طرح وہی حضرات واقف ہیں جو ہمیشہ اس کو پڑھنے پڑھانے میں مصروف ہیں لیکن چند خوبیاں جنہیں دوسرے لوگ بھی سمجھ سکتے ہیں، یہ ہیں،

(۱) عربی میں ہے جو "ام الالسنۃ" ہے تمام زبانوں کی سردار ہے۔

(۲) الفاظ جو استعمال کیے ہیں نہایت فصیح وبلیغ ہیں۔

(۳) تشبیہات ومجازات کو بھی استعمال کیا ہے جس سے کلام کا حُسن دوبالا ہو جاتا ہے

(۴) نظم میں ہے جو طبعی طور پر دلپسند ہوتی ہے۔

(۵) اس میں پُراثر نصیحتیں بھی ہیں۔

(۶) قرآن مجید کے الفاظ بھی جابجا آتے رہتے ہیں جس سے اس کی خوبیوں کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔

(۷) قرارت بیان کرکے بہت سے مواقع میں صرفی ونحوی اعتبار سے ان کی وجہ بھی بتلاتے ہیں جو عربی کے طلبہ کے لیے بطور خاص مفید ہوتی ہیں۔

(۸) چونکہ قرارت سبعہ کے تمام مسائل کو اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے اور مختصر الفاظ سے بہت سے مطالب نکالنے پڑتے ہیں، اس لیے یہ نظم علمی واقفیت کے ساتھ طلبہ کی عقل وفہم اور ذہانت میں بھی نمایاں ترقی کا باعث ہوتی ہے اور صرفی ونحوی

استعداد میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

(۹) چونکہ اس کے مصنف ولیِ کامل ہیں، یہ نظم انہوں نے محض اللہ ہی کے لیے لکھی ہیں، جیساکہ ایک جگہ خود بیان کرتے ہیں اس لیے بھی باعث برکت ہے۔

(۱۰) ناظم علام نے قصیدے کے یاد کرنے والوں کے لیے دعا بھی کی ہے، جس کی قبولیت کے آثار پڑھنے والوں کو کھلی آنکھوں نظر آتے ہیں، بعض شارحین نے اقرار بھی کیا ہے کہ اس قصیدے کے یاد کرنے کے بعد ہمیں اپنی استعداد میں نمایاں ترقی معلوم ہوئی، اور اب بھی جس کا جی چاہے اس کو شوق و رغبت سے پڑھے اور تجربہ کر کے دیکھ لے۔

مشکلات مندرجہ بالا خصوصیات کے ساتھ ساتھ یہ قصیدہ بھی بعض وجوہ سے مشکل بھی ہے، مثلاً (۱) عربیت بہت اونچی ہے (۲) وہ لغات استعمال کیا ہے جو فن کی کتابوں میں نہیں ہے (۳) خاص اصطلاحات اور رموز سے کام لیا ہے، جس سے یہ قصیدہ چیستان معلوم ہوتا ہے۔ (۴) کئی کئی مذاہب کو ایک ایک دو دو شعروں میں بیان کیا ہے (۵) ایک مذہب بیان کر کے دوسرا قاری کی فہم پر چھوڑ دیا ہے (۶) بعض جگہ کلمہ قرآنی کے تلفظ کو سمجھ کر حرکات ضبط نہیں کی ہیں، مگر بایں ہمہ مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اس کے پچاس کے قریب شروح و حواشی اور نکات لکھے گئے،

لہ حافظ ابوشامہ فرماتے ہیں کہ میں نے ناظم علامؒ کے مصر و شام کے اجل تلامذہ سے ملاقات کی ہیں نے دیکھا کہ سب کے سب علامہ کی بے حد تعظیم و تکریم کرتے ہیں، حتیٰ کہ میرے مشاہدہ نے درج ذیل دو شعر کہنے پر آمادہ کر دیا ؎ لقیت جماعۃ الفضلاء فازدوا + لصحبۃ شیخ مصر الشاطبی ؎ — وکلهم یعظمه کثیرا + کتعظیم الصحابة للنبی (ابراز ص۵۲۴)

لہ ثم انه رحمه الله قال فیما اخبرنی عنه شیخنا ابوالحسن دعیرۃ لایقرأ احدٌ قصیدتی الا دینفعه الله تعالیٰ بها لانی نظمتها لله (ابراز ص۵۲۴)

وفات تقریباً ۵۳ سال کی عمر میں ۲۸ جمادی الثانی ۵۹۰ھ کو بروز یکشنبہ بعد عصر قاہرہ میں قرارت اور مختلف علوم کا یہ نیر تاباں غروب ہوگیا۔
انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی نمازِ جنازہ علامہ ابو اسحاق خطیب جامع مسجد نے پڑھائی، دوسرے دن جبل مقطم کے قریب قرافہ صغریٰ کے مقبرہ قاضی فاضل میں مدفون ہوئے۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں :- وتوفی الشیخ رحمۃ اللہ علیہ یوم الاحد بعد صلاۃ العصر وھو الیوم الثامن بعد العشرین من جمادی الآخر سنۃ تسعین وخمسمائۃ ودفن یوم الاثنین فی مقبرۃ البیسانی وتعرف تلک الناحیۃ بساریۃ (ص۴۳)

علی ضباع اپنی شرح ارشاد المرید میں لکھتے ہیں: وتوفی بمصر بعد عصر یوم الاحد ثامن بعد العشرین جمادی الثانیۃ سنۃ ۵۹۰ھ ودفن بالقرافۃ الصغریٰ بالقرب من سفح جبل المقطم وقبرہ معروف الی الآن (ص۳۰۲)

آپ کی قبر اب بھی معروف ومشہور ہے، ملا علی قاری لکھتے ہیں۔
وقبرہ بمصر یزار ویتبرک بہ" (ایضاً) یعنی لوگ اب بھی آپ کی قبر کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں اور برکات حاصل کرتے ہیں۔

اللھم اغفر لہ وارحمہ مغفرۃ کاملۃ ورحمۃ واسعۃ۔

عمادُ المقربیین

علامہ جزری دمشقی

آپ کا نام محمد ہے کنیت ابوالخیر ہے اور لقب شمس الدین ہے، والد اور دادا دونوں کا نام محمد ہے، سلسلہ نسب یہ ہے ابوالخیر شمس الدین محمد بن محمد بن محمد بن علی بن یوسف بن عمر الجزری الدمشقی الشافعی، آپ اصلاً دمشقی ہیں "جزیرہ ابن عمر" کی طرف نسبت کر کے الجزری کہلاتے ہیں، یہ جزیرہ بلادِ شرق میں واقع ہے۔ (ابن ناظمؒ کی رائے پر) اور صاحب قاموس کی رائے پر یہ موصل شہر کے شمال پر ہے جس کو نہر دجلہ ہلال کی طرح احاطہ کیے ہوئے ہے۔

"ابن عمر" سے مراد صحابی نہیں جیسا کہ بعض کو وہم ہوا ہے بلکہ یہ عبدالعزیز بن عمر برقعیدی ہیں انہوں نے اس جزیرہ کو آباد کیا تھا اس لیے ان کی طرف منسوب ہے علامہ ابوالولید ابن شحنہ حنفی نے اپنی کتاب "روضۃ المناظر فی علم الاوائل والاواخر" میں اس کو صراحتاً بیان کیا ہے۔ ملا علی قاریؒ المنح الفکریہ شرح مقدمۃ الجزریہ میں لکھتے ہیں:

والجزری نسبۃ الی جزیرۃ ابن عمر ببلاد الشرق کذا ذکرہ ابن المصنف وتبعہ من بعدہ فی اجمالہ وفی القاموس بلد شمال الموصل تحیط بہ دجلۃ مثل الهلال واللہ اعلم بالحال، والمراد بابن عمر الذی نسب الیہ ھو عبدالعزیز بن عمر وھو رجل من اھل برقعید من عمل الموصل بناھا فنسبت الیہ، نص علی ذالک العلامۃ ابوالولید بن الشحنۃ الحنفی فی تاریخہ "روضۃ المناظر فی علم الاوائل والاواخر" فلیس بصحابی کما توھمہ بعضھم (ص۲)

اکثر حضرات آپ کو "امام جزری" یا "محقق جزری" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے والد محمد ایک تاجر آدمی تھے، آپ کے اولاد ایک مدت دراز تک نہ ہوئی تھی، جب آپ خانہ کعبہ پہنچے تو آپ نے زمزم پی کر اولاد کی دعا مانگی اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ فرزند عطا فرمایا۔

۲۵ رمضان شب شنبہ ۷۵۱ھ بمقام دمشق بعد نماز تراویح آپ کی ولادت ہوئی اور یہیں آپ نے نشو و نما پائی ۷۶۴ھ میں سب سے پہلے قرآن مجید حفظ کیا، پھر ابتدائی علوم کی تحصیل کی، پھر قراءات سبعہ افراداً پڑھ کر ۷۶۸ھ میں حج بیت اللہ شریف کی سعادت نصیب ہوئی، اور ۷۶۹ھ میں مصر پہنچے اور قراءات عشرہ اور اثنا عشرہ اور ثلٰثۃ عشرہ پڑھیں۔

پھر دمشق آئے قاہرہ اور اسکندریہ وغیرہ کے شیوخ[۱] سے حدیث و فقہ کی تکمیل کی اور متعدد بار قراءات پڑھیں اور اس کے اندر مہارتِ تامّہ پیدا کی اور اسی زمانے سے آپ نے پڑھانا شروع کر دیا۔ ۷۹۳ھ میں شام کے قاضی مقرر ہوئے، پانچ سال کے بعد مصری حکومت سے بگاڑ ہو گیا۔ اور آپ روم چلے گئے، ۷۹۸ھ سے ۸۰۵ھ تک سلطان بایزید کے یہاں "برصہ" میں بڑی عزت و تکریم کے ساتھ قیام کیا اور علم قراءت و حدیث کی اشاعت اور مخلوق کو آپ سے نفع عظیم پہنچا، تمام ممالکِ اسلامیہ میں خصوصیت کے ساتھ قراءت کے امام تسلیم کیے گئے،

تیموری فتنہ پر ۸۰۵ھ کے آغاز میں آپ کو امیر تیمور کے ساتھ ماوراء النہر جانا پڑا۔ آپ یہاں کچھ روز رہے، پھر سمرقند تشریف لے گئے، جب ۸۰۷ھ میں امیر تیمور کا انتقال ہوا تو آپ یہاں سے خراسان چلے گئے، ہرات، یزد اور اصفہان میں تھوڑا تھوڑا عرصہ ٹھہر کر شیراز میں مقیم ہوئے اور میر محمد والی شیراز کے اصرار سے کچھ عرصہ قضا کی خدمت انجام دی، پھر ایک مدرسہ دار القراء قائم کیا جس میں تجوید و قرآن اور قراءات کی تعلیم ہوتی تھی۔

۸۲۳ھ میں مکہ معظمہ پہنچے اور دو سال کے قریب حرمین میں مقیم رہے، پھر ۸۲۷ھ میں شیراز چلے گئے، اور تاحیات وہیں قیام پذیر رہے۔

---

[۱] حاشیہ ص ۱۷۵ پر ملاحظہ فرمائیں۔

؎ درویش خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی
گھر میرا نہ دلّی نہ صفاہاں نہ سمرقند

تقی الدین احمد المقریزی " درر العقود الفریدہ " میں لکھتے ہیں :

" آپ نہایت شکیل و جمیل تھے ، فصیح و بلیغ اللسان تھے ، نظم و نثر و خطبات آپ کی یادگار ہیں ۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے کہا " آپ بڑے صاحب ثروت اور بڑے فصیح و بلیغ تھے ۔ آپ نے حافظہ نہایت قوی پایا تھا ، جو چیز ایک مرتبہ یاد کر لی ، وہ گویا کتاب میں محفوظ ہو گئی ، حافظے کا یہ حال تھا کہ ایک لاکھ احادیث سندوں کے ساتھ یاد تھیں فہم و ذکا سے بھی وافر حصّہ پایا تھا ۔

آپ کو شعر و سخن سے فطری ذوق تھا اور کافی دلچسپی تھی ، آپ نے اس ملکہ سے قرآن و حدیث کی خدمت کی ، فن تجوید کے اصول و قواعد کو منضبط کیا ، مقدمۃ الجزریہ آپ کی یادگار ہے اور مدارس میں تجوید میں داخل نصاب ہے ۔

اٹھارہ سال کی عمر میں آپ نے الھدایہ فی تتمۃ العشرہ لکھی ۔

زبان و ادب کا مذاق نہایت پاکیزہ تھا ، قصائد لکھتے تھے ، قصیدۂ نبویہ کے دو شعر ہیں

الا ای سود الوجہ الخطایا
وبیضت السنون سواد شعری !

خبردار کہ میرے چہرے کو میری خطاؤں نے سیاہ کر دیا اور میرے بالوں کی سیاہی کو سنین عمر نے سفید کر دیا ۔

فما بعد التقی الا المصلی
وما بعد المصلی غیر قبری

تقویٰ کے بعد مصلی کے سوا کچھ نہیں ، اور مصلی کے بعد میری قبر کے سوا اور کچھ نہیں ۔

ایک روز آپ کی مجلس میں جب کہ شمائل ترمذی کا ختم ہوا اور تلامذہ اس کی

قرأت سے فارغ ہوئے تو آپ نے دو شعر کہے ؎

اخلائی وان سط الحبیب وربعه

وعز تلاقیه وناءت منازله

فان فاتکم ان تبصروه بعینه

فما فاتکم بالسمع هذی شمائله

یعنی دوستو! اگر حبیب اور اس کا مکان دور ہو گیا، اس سے ملاقات کرنا دشوار ہو گیا، اس کی منزلیں بعید ہو گئیں ۔ اگر تم سے اس کا دیکھنا فوت ہو گیا تو کیا ہوا، اسکی خبروں کا سننا تو فوت نہیں ہوا، یہ ہیں اسکی پاک عادات۔

تصانیف تصنیف و تالیف کا دائرہ بھی نہایت وسیع تھا اور آپ کی تمام تصانیف محققانہ ہیں۔ تقریباً ۹۰ تصانیف کا تذکرہ ملتا ہے، جن میں بارہ کتابیں تجوید و قرأت میں ہیں، جن کا تذکرہ " نویں صدی کے ذیل میں گزرا ہے، ان میں سے مقدمۃ الجزریہ اور طیبۃ النشر متداول اور مروّج ہیں۔

جملہ تصانیف میں نشر کبیر میں تو آپ نے کمال ہی کر دیا ہے، ہر اختلافی مسئلہ کی ایسی چھان بین کی ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں ہے بعد کے تمام علماء نشر ہی کی تحقیق پر اعتماد کرتے چلے آئے اور اب بھی یہی حال ہے۔

خود فرماتے ہیں کہ کتاب قراءات عشرہ کے لیے تشریح ہے جو شخص یہ کہتا ہے کہ یہ علم مر گیا ہے اس سے کہدو کہ نشر سے زندہ ہو گیا۔

حاشیہ ۱۷۲ کا سلسلہ دمشق میں علامہ دمیاطی سے حدیث اور امام اسنوی سے فقہ حاصل کیا، اس کے بعد دیارِ مصر پہنچے اور یہاں اصول و معانی اور بیان وغیرہ کی تعلیم حاصل کی پھر اسکندریہ پہنچے اور ابن عبدالسلام کے اصحاب سے سماع کیا، ۷۷۴ھ میں حافظ عماد الدین اسماعیل ابن کثیر نے اور ۷۸۵ھ میں علامہ بلقینی نے آپ کو اجازت دی۔

سے صرف قرأت میں آپ کے شیوخ کی تعداد تقریباً چالیس[۴] ہے۔

یہ مبالغہ قطعاً نہیں واقعہ ہے، کاش آپ کے بعد بھی کوئی ایسا ماہر پیدا ہوتا۔
نشر کبیر بڑی بڑی دو ضخیم جلدوں میں ہے اور کمال بالائے کمال یہ ہے کہ جب اس کا خلاصہ لکھنے پہ آئے تو اس کے اصل مقصد یعنی قراءات عشرہ اور ان کے مسائل کو اپنے قصیدہ "طیبہ" میں صرف ایک ہزار اشعار میں نظم فرما دیا۔ ونعم ما قال، ے

داستان شوق جب پھیلی تو لا محدود تھی،
اور جب سمٹی تو تیرا نام بن کر رہ گئی

بلا شبہ علامہ شاطبیؒ کے بعد فن قرارت میں آپ کو سب سے زیادہ مرکزی حیثیت حاصل ہوئی۔

اخلاق وعادات

اخلاق وعادات میں آپ بیحد ملنسار وشیریں گفتار اور خدا ترس تھے، بات کرتے وقت گویا منہ سے پھول جھڑتے تھے، آپ کے ہر فقرے سے فصاحت وبلاغت ٹپکتی تھی، مزاج میں تواضع وانکساری تھی، لوگوں کے ساتھ احسان وسلوک سے پیش آتے، اللہ تعالے نے دولتِ دنیا سے حصہ وافر عطا فرمایا تھا، اہل حجاز کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ بہت احسان کرتے تھے۔

عبادت وریاضت

آپ عبادت وریاضت میں محنتِ شاقہ برداشت کرتے تھے، علم کے ساتھ زیورِ عمل سے بھی آراستہ تھے۔ بڑے عابد اور نہایت مرتاض بزرگ تھے۔ زندگی کے مشاغل ثلثہ میں تیسرا مشغلہ عبادت وریاضت ہی تھا، جو سفر وحضر میں کبھی نہ چھوٹتا تھا، انضباطِ اوقات کا بڑا خیال رکھتے تھے۔

شبانہ روز کے مشاغل

(۱) قرارت کی تعلیم و درس حدیث (۲) تصنیف وتالیف (۳) عبادت ویادِ الٰہی میں ذرا فرق نہ آنے دینا۔
تمام عمر میں ان پر بڑی پابندی سے عمل پیرا رہے۔ ہر مہینہ میں تین روزے رکھتے تھے، دوشنبہ اور پنجشنبہ کے روزے اس کے علاوہ تھے۔ جو کبھی قضا نہیں ہوئے سفر میں بھی شب بیداری اور تہجد گذاری میں کبھی فرق نہ آیا۔

انہیں فضل و کمال اور زہد و ورع کی بنا پر مرجع خلائق بن گئے، جہاں رہے طالبانِ قرأت و حدیث دُور دُور سے استفادہ کے لیے آتے تھے، جہاں جاتے تھے شائقین کا ٹھٹھ لگ جاتا، قاہرہ و یمن میں لوگ ٹوٹے پڑتے تھے اور حصولِ سند میں لوگ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے، خلفاء و سلاطین کی گرویدگی کا یہ عالم تھا کہ جس کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا اسے تاحیات نہ چھوڑا۔

بایزید بن عثمان، امیر تیمور، میر محمد حاکم شیراز، ان تینوں نے نکلنے نہ دیا۔

وفات بروز جمعہ ۵ ربیع الاول ۸۳۳ھ میں شیراز میں بعمر بیاسی سال علوم و فنون کا یہ ماہِ درخشاں غروب ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون ○ اپنے مدرسہ دارالقرآن میں مدفون ہوئے، جنازے کے ساتھ اتنا ہجوم تھا، کہ کندھا دینا تو ایک طرف جنازے کو چھو لینے والوں کو بوسہ دینے کے لیے لوگ ٹوٹے پڑتے تھے۔

باقیات صالحات

آپ کی اولاد کو باقیات صالحات کہنا بجا ہے، اس میں بالکل مبالغہ نہیں اولاد میں پانچ صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہیں۔

صاحبزادوں میں ابوالفتح محمد الجزری (د ۸۱۴ھ) ابوبکر احمد الجزری (د ۸۰۰ھ) اور ابوالخیر محمد الجزری (د ۸۹۰ھ) یہ تینوں بڑے درجہ کے نامور محدث اور فن قراءت کے ماہر اور اونچے فقیہ تھے، باقی دو کے نام ابوالبقاء اسماعیل اور ابوالفضل اسحاق ہیں۔

صاحبزادیوں میں فاطمہ، عائشہ اور سلمٰی یہ جلیل القدر محدثہ اور فنِ قرأت کی ماہرہ تھیں۔

طاش کبریٰ زادہ کا بیان اس کی تصدیق کرتا ہے، لکھتے ہیں :۔ "کلھم کانوا من المجودین والحفاظ المحدثین"

اللھم اغفر لہ وارحمہ مغفرۃ کاملۃ ورحمۃ واسعۃ"

...+...

قُرّاء کے اقسام

قُرّاء تین قسم کے ہوتے ہیں۔

(۱) وہ جو صحت کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں اور بقدر ما یجوز بہ الصلوٰۃ کسی استاذ سے تجوید سیکھ لیتے ہیں، ایسے قاری کوئی شہرت نہیں حاصل کرتے اور بسا اوقات ان کے معاصرین بھی اس سے واقف نہیں ہوتے، ایسے علماء و فضلاء اور مشائخ جو کسی اور علم وفن کو اپنا خاص موضوع بناتے ہیں، ان کو بھی عموماً لوگ نہ قاری کی حیثیت سے جانتے ہیں اور نہ اس حیثیت سے ان کا ذکر کرتے ہیں، چنانچہ بعد کی نسلیں ان کو قاری کی حیثیت سے یاد نہیں کرتیں۔

(۲) وہ ہیں جو تجوید و قرأت کی تعلیم کسی مستند قاری سے مشافہۃً حاصل کر کے اس کی اشاعت میں عمر کا کچھ حصہ صرف کرتے ہیں، ان کو مقری کہتے ہیں، یہ حضرات قاری کی حیثیت سے تھوڑی بہت شہرت حاصل کر لیتے ہیں۔

بعض قراء نے قاری کی تعریف یوں بھی کی ہے کہ ایک روایت کے یاد و اور تین روایات کے سنداً اور مشافہۃً حاصل کرنے والے کو قاری کہتے ہیں اور اور قراءات سبعہ کو سنداً و مشافہۃً حاصل کرنے والے کو مقری کہتے ہیں۔

(۳) تیسری قسم کے قاری وہ ہوتے ہیں جو بڑی محنت اور تحقیق سے یہ علم حاصل کرتے ہیں، سنداً اور مشافہۃً پڑھنے پر اتنا زور دیتے ہیں کہ متعدد اساتذہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کئی کئی بار سناتے ہیں، جب خود کو اطمینان ہو جاتا ہے تو پھر عمر کا بڑا حصہ پڑھنے اور پڑھانے میں صرف کرتے ہیں حسبِ ضرورت وقتاً فوقتاً کتابیں یا رسالے تالیف کرتے رہتے ہیں، تاکہ دوسرے بھی فائدہ اٹھا سکیں ایسے قاری شیخ القراء کہلاتے ہیں۔ اگر یہ خوش الحان بھی ہوتے ہیں تو پھر مرجع خلائق بن جاتے ہیں، عرصے تک ان کا نام زندہ رہتا ہے۔

ان کا ذکر تذکروں اور تاریخوں میں آجاتا ہے، شہرت کے اس مقام تک پہنچ جاتے ہیں کہ مؤرخین اور تذکرہ نویس ان کا ذکر نظر انداز نہیں کر سکتے۔

اگر کسی قاری کا نام تاریخ میں آجاتے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ اس نے اپنے زمانے میں نصف صدی کے لیے تجوید و قرات کا ماحول بنا دیا ہوگا، اور پڑھنے والے پیدا کر دیئے ہوں گے۔ کسی صدی میں ایسے دو قاری بھی مل جائیں تو ان کی تعلیم و تسلسل میں شبہ نہیں رہتا، قرار اور مصنفین کی جو فہرست ملتی ہے اس سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ تجوید و قرات کا علم و فن تواتر و تسلسل کے ساتھ مشافہتہً پھیلانے کا ذوق بلادِ عرب مصر و اندلس میں نہایت وسیع پیمانے پر جاری رہا۔

(دیکھیے تذکرہ قاریانِ ہند)

خاتمہ

عرض ہے: عربی میں قرات پر تقریباً تین سو کتابیں بغداد دمشق، مدینہ مصر اور اندلس کے علماء کی محنت اور تحقیق سے تصنیف و تالیف ہوئیں، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان میں سے ہر کتاب کا مصنف اپنے زمانے میں آفتاب و ماہتاب تھا۔

ہر ایک نے عرصۂ دراز تک درس و تدریس کی خدمت انجام دی بے انتہا خلقِ خدا ان سے فیضیاب ہوتی رہی، ان مصنفین کے علاوہ مقرئین کی تعداد بھی بے انتہا تھی، جنہوں نے اپنی عمریں صرف تجوید و قرات کی اشاعت میں صرف کر دیں۔

تمام ممالک اسلامیہ میں مسلمانوں نے سلسلہ متواترہ، مشہورہ سلسلہ، متصلہ سے قرات سیکھنے اور سکھانے میں جو جدّ وجہد صرف کی اور اس کے ساتھ جو شغف ظاہر

کیا، ان کا صحیح اندازہ ہو جانے سے اس کی اہمیت سمجھ میں آتی ہے۔

ائمہ قرات اور ان کے رواۃ کی مرکزی شخصیتیں :۔

ان کے بعد پانچویں صدی میں علامہ عثمان دانی رح چھٹی صدی میں ابو القاسم محمد ابن فیرہ شاطبی، ان کے بعد ابو الحسن علی السخاوی کی شخصیت و مقبولیت، ان کے بعد ساتویں صدی میں علامہ ابو شامہ رح، آٹھویں صدی میں علامہ جعبری کی شخصیت پھر نویں صدی میں علامۃ الجزری کی مرکزی حیثیت، پھر ابو یحیٰ زکریا الانصاری کی شخصیت پھر علامہ جلال الدین سیوطی رح، پھر ملا علی قاری رح کا وجود با جود۔ پھر سید علی النوری الصفاقسی کی کتاب غیث النفع، پھر شمس متولی کی "وجوہ المسفرہ" یہ سب پیش نظر رکھنے کی چیزیں ہیں۔

مؤلف کا سلسلۂ قرأت سبعہ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرأت سبعہ جن سلسلوں سے اس ہیچ میرز تک پہنچیں، ان میں سے مثالاً ایک سلسلہ درج ذیل ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالےٰ کی توفیق سے قرأت قرآن بطریق شاطبی رح میں نے شیخی وسندی، استاذی وملاذی مولانا الحافظ القاری المقری محمد مصطفےٰ رح المئوی الاعظمی البتا...... سے سیکھی، انہوں نے حضرت الحاج مولانا حافظ قاری مقری ریاست علی البحر آبادی ثم الاعظمی سے، انہوں نے حضرت العلامہ المحقق مولانا الحافظ القاری المقری ضیاء الدین احمد الٰہ آبادی سے، انہوں نے سیدنا ومولانا الحاج المقری عبد الرحمٰن بن محمد بشیر خان المکی المہاجر الحنفی سے، انہوں نے اپنے بھائی شیخ الکامل الفاضل الجہبذ النحریر عبد اللہ بن محمد بشیر خان سے، انہوں نے شیخ ابراہیم سعد بن علی سے، انہوں نے شیخ حسن بدیر سے، انہوں نے شیخ محمد المتولی سے، انہوں نے شیخ سید احمد سے انہوں نے شیخ احمد سلمونہ سے، انہوں نے شیخ سید

ابراہیم[11] العبیدی سے، انہوں نے شیخ عبدالرحمٰن[12] الاجہوری سے، انہوں نے شیخ احمد[13] البقری سے، انہوں نے شیخ محمد[14] البقری سے انہوں نے شیخ عبدالرحمٰن[15] الیمنی سے انہوں نے اپنے والد شیخ شحاذہ[16] سے انہوں نے شیخ الناصر[17] الطبلاوی سے انہوں نے شیخ الاسلام زکریا[18] الانصاری سے انہوں نے شیخ الرضوان[19] العقبی سے، انہوں نے شیخ محمد النویری[20] سے، انہوں نے محرر فن شیخ محمد الجزری[21] سے، انہوں نے شیخ الاسلام الازہر[22] بن لبان سے، انہوں نے شیخ احمد صہر[23] الشاطبی سے انہوں نے شیخ ابوالحسن[24] بن ہذیل سے، انہوں نے شیخ ابوداؤد[25] سلیمان بن نجاح سے، انہوں نے شیخ العلامہ عثمان[26] ابو عمر الدانی سے انہوں نے شیخ ابوالحسن طاہر[27] بن غلبون المنقری سے، انہوں نے شیخ ابوالحسن علی بن[28] محمد بن صالح الہاشمی سے۔ انہوں نے شیخ ابوالعباس[29] احمد بن سہیل الاشنانی سے، انہوں نے ابو محمد عبید[30] بن الصباح سے، انہوں نے شیخ ابوعمرو حفص[31] بن سلیمان کوفی صاحب الروایہ سے انہوں نے شیخ الامام ابوبکر عاصم[32] بن ابوالنجود تابعی کوفی سے، انہوں نے زر بن حبیش[33] اسدی سے، انہوں نے سیدنا[34] عثمان وعلی وابی بن کعب وابن مسعود و زید رضی اللہ تعالے عنہم اجمعین سے، ان سب حضرات نے سیدالانبیاء ختم المرسلین جناب نبی کریم محمد[35] صلی اللہ علیہ وسلم سے (عن جبریل علیہ السلام عن اللوح المحفوظ عن رب العالمین۔

اس طرح اس ہیچ میرز کا سلسلۂ قرارت ۳۵ واسطوں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ فالحمد للہ علی ذالک

واشکرہ علی ما اولنا واوصل الینا من ھذہ النعمۃ العظیمۃ والمنۃ والجسیمۃ۔ فاسأل اللہ تعالیٰ ان یقبل ھذہ المرسالۃ ویجعلہا الیٰ من الباقیات الصالحات وینفع بہا عبادہ، وارجو الدعاء بخیری الدنیا والاخرۃ ممن ینتفع بہا والاصلاح من اطلع علی خطاء فان الانسان لایخلوا عن الخطاء والنسیان۔

واخر دعوانا بتوفیق ربنا ان الحمد للہ الذی وحدہ علا

وبعد صلوٰۃ اللہ ثم سلامہ علی سید الخلق الرضی متنخلا

محمد المختار للمجد کعبۃ صلوٰۃ تبار الریح مسکا ومندلا

وتبدی علی اصحابہ نفحاتہا
بغیر تناہ زرینا وقرنفلا

(آمین رجاہ سید المرسلین)

کتبہٗ محبوب محمد غفرلہٗ

ماخذ ومصادر

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف
۱	التیسیر	علامہ ابوعمرو دانی اندلسی م ۴۴۲ھ
۲	قصیدہ شاطبیہ	علامہ ابوالقاسم شاطبی اندلسی م ۵۹۰ھ
۳	ابراز المعانی	عبدالرحمٰن بن اسماعیل معروف بہ ابوشامہ م ۶۶۵ھ
۴	ملا علی قاری	علی ابن محمد سلطان القاری م ۱۰۱۴ھ
۵	سراج القاری	ابن القاصح عذری بغدادی م ۸۰۱ھ
۶	غیث النفع	سید علی نوری السفاقسی مصری، م ۱۱۲۷ھ
۷	العقد الفرید	علی ابن احمد بحیرہ شافعی الغربانی مطبوعہ مصر ۱۳۴۳ھ
۸	تنشیط الطبع	حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی م ۱۳۶۲ھ
۹	نصب الرایہ لتخریج احادیث الہدایہ	جمال الدین ابوعبداللہ بن یوسف زیلعی حنفی م ۷۶۲ھ
۱۰	مقدمہ قواعد التجوید	عبدالعزیز القاری جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ م ۱۳۹۱ھ
۱۱	التکبری	ڈاکٹر احمد محمد الحوفی مصری مطبوعہ مصر ۱۳۸۳ھ
۱۲	تذکرہ قاریان ہند	مرزا کرنل بسم اللہ بیگ ۱۳۹۶ھ ۱۹۷۵ء
۱۳	عنایات رحمانی	مولانا قاری فتح محمد اعمیٰ پانی پتی (پاکستان) مدظلہ
۱۴	احیاء المعانی	قاری المقری ظہیر الدین معروفی اعظمی مدظلہ
۱۵	جامع القراءات	قاری احمد ضیاء بن المقری مولانا محب الدین احمد صاحب الہ آبادی مدظلہ
۱۶	ظفر المحصلین	مولانا محمد حنیف صاحب گنگوہی مدظلہ

اسلامی

حضرت مفتی

تعمیر پاکستان اور علماء ربانی : منشی عبدالرحمان خان صاحب — مجلد ڈائی دار

قیام پاکستان میں علماء حق کی کاوشوں اور جدوجہد کا تاریخی تذکرہ
ایک مشہور کتاب کا اضافہ شدہ جدید ایڈیشن ۔(زیر طبع)۔ — ۶۰/-

شرح نخبۃ الفکر عربی محشی : علامہ حافظ ابن حجرؒ — عکسی گلیز کاغذ

اصول حدیث کی مشہور عربی درسی کتاب کا بہترین نسخہ جس میں عمدہ عربی حواشی کے علاوہ اردو میں ترجمہ بھی شامل ہے — ۲۴/-

طریقہ نماز مترجم عکسی جیبی سائز ترتیب : مولانا نذیر احمد صاحب مجددی

وضو غسل اذان و نماز کے فضائل و مسائل شش کلمے اور نوافل و اذکار کا مختصر مگر جامع کتابچہ — ۴/۵۰

کافیہ عربی محشی : علامہ جمال الدین ابن الحاجبؒ

عربی نحو کی مشہور درسی کتاب کا بہترین ایڈیشن، عمدہ کتابت و طباعت سفید کاغذ مع رنگین سرورق — ۲۴/-

فضائل توبہ و استغفار : حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنی — ڈائی دار جلد

توبہ و استغفار کے فضائل پر قرآن و حدیث کی روشنی میں جامع کتاب مع رسالہ "گناہوں کی فہرست" — ۴۸/-

فضائل اعمال صالحہ : مترجم عربی اردو از حافظ مقدسیؒ — ڈائی دار جلد

نیکی کے وہ کام جو کرنے میں بہت آسان اور اجر و ثواب میں بہت بڑے ہیں۔ (زیر طبع) — ۶۶/-

مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی اردو ۳ حصے دو جلدوں میں مجلد ڈائی دار جلد

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے گرانقدر مکاتیب کا مستند اردو ترجمہ — کامل سیٹ

شروع میں سوانح اور آخر میں رسالہ مبدأ و معاد کا ترجمہ بھی شامل کتاب ہے — ۱۹۵/-

مناجات مقبول مترجم عربی اردو عکسی رنگین کامل : حضرت تھانویؒ

قرآن و حدیث کی مستند دعاؤں کی مشہور کتاب کا مکمل عربی ایڈیشن ایڈیشن مع حزب البحر

اسماء البدریین وغیرہ ۔ رنگین عکسی طباعت اعلیٰ کاغذ۔ خوب صورت جلد۔ — ۲۴/-

مجموعہ وظائف مع یازدہ سورہ : کامل عربی اردو عکسی رنگین — مجلد عمدہ جلد

یازدہ سورہ مع ترجمہ و فضائل کے علاوہ اہم وظائف و اوراد پر مشتمل یہ مجموعہ وظائف ہر گھر کی ضرورت ہے۔ — ۲۴/-

مرقات عربی متن مع تشریحات و سوالات اردو : — عمدہ سفید کاغذ

علم منطق کی مشہور کتاب کا عربی متن اردو شرح کے ہمراہ طلباء و اساتذہ کیلئے مفید — ۲۴

علم قراءت اور قراءِ سبعہ

علم قراءت کی تاریخ و مبادی، ائمہ قراءِ سبعہ اور
ان کے چودہ جلیل القدر راویوں کے احوال کا
اور اختلاف قراءات کے اصول و قواعد

از

مولانا قاری ابو الحسن اعظمی فاضل دار العلوم دیوبند

ناشر
ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور